دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

استفتاء نمبر ۱۱۳۶/ب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قابل صد احترام حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم ومفتیان عظام دارالعلوم دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدمت مبارکہ میں عرض ایں کہ تبلیغی جماعت کے ایک معروف اور بڑے ذمہ دار کی طرف سے جہالت کی باتیں بڑھتی جارہی ہیں، ہم نے رمضان سے پہلے بھوپال اجتماع ۲۰۲۲ء علماء کی مجلس کا بیان آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہوکر پیش کیا تھا؛ جس کو پڑھ کو آپ حضرات نے زبانی اپنی تشویش کا اظہار فرمایا تھا؛ لیکن ابھی تک کوئی تحریری جواب نہیں ملا، اب اپریل ۲۰۲۳ء کی تازہ تقریر سامنے آئی ہے، اس تقریر نے علمائے کرام اور مدارس کے منتظمین کو الجھن میں ڈال دیا ہے، ہم حیرت میں ہیں کہ ایک شخص ساری دنیا کے علماء اور مشائخ کو للکارتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ علماء کے لیے تجارت کرنا عوام سے زیادہ ضروری ہے، دین کے خدام کو اپنی کفالت خود کرنی چاہیے، اس کے بغیر ان کا مجاہدہ ناقص ہے اور عوامی کفالت کا خیال ایک غلط خیال ہے، بیان کے الفاظ یہ ہیں:

”حضور اکرم ﷺ نے خود اور اپنے خلفائے راشدین کو اس کا عادی بنادیا تھا کہ جو مال تمھارے پاس آئے اس کو تو رد کرنا اور جو مال تمہیں تمھاری دینی خدمات کی وجہ سے پیش کیا جائے اس کو قبول مت کرنا، صحابہ کرام نہیں جانتے تھے کہ اجرت اور اجر کیسے جمع کیا جاسکتا ہے، وہ تو اس زمانے کے لوگ کہتے ہیں کہ اجر بھی جمع ہوگا اور اجرت بھی جمع ہوگی، صحابہ نہیں جانتے تھے کہ کیا دینی کسی خدمت پر اجرت کا لینا ہمارے اجر کو باقی رکھے گا؟ صحابہ اس کو نہیں جانتے تھے، لوگوں نے تاویلات کرکے اپنے آپ کو غیر محتاج ہوتے ہوئے بھی دین کی خدمات کی اجرت کا اپنے آپ کو عادی بنالیا ہے، غیر محتاج ہوتے ہوئے بھی، جب کہ ان لوگوں نے محتاج ہوتے ہوئے بھی دین کی خدمت کی اجرت کو قبول نہیں کیا اور اب اس زمانے میں یہ لوگوں کی عادت بن گئی ہے، حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ ایک معلم کا تعلیم کے ساتھ تجارت کرنا بغیر دینی تعلیم کے تجارت کرنے سے زیادہ اہم اور ضروری ہے، ایک معلم ہے، ایک محدث، ایک امیر اور ایک مبلغ کا ان دینی خدمات کے ساتھ تجارت کرنا زیادہ اہم اور ضروری ہے بنسبت عام جاہل آدمی کے جو دین کی کسی اجتماعی کام میں کوئی ذمہ داری اس پر نہیں، اس پر اتنا لازم نہیں ہے کہ وہ تجارت کرے، لیکن کہاں سے یہ مزاج بنا؟ اور کہاں سے یہ بات پیدا ہوئی کہ مشائخ اور علماء اور محدثین اور مبلغین ان حضرات کا دنیاوی کاموں میں مشغول ہونا کہ اس سے دین میں خلل پیدا ہوگا؟ حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے ان کے کام میں تعاون ہوگا اور یہ امت کو عملی تجارت بازار میں بیٹھ کر بتلاتے کہ عملی تجارت کیا ہے، بجائے کتاب سے کتاب التجارۃ پڑھانے کے یہ بازار سے بیٹھ کر بتلاتے کہ تجارت کیسے ہوتی ہے، مگر افسوس اس بات پر ہے کہ اس زمانے میں کفار کی طرح مسلمان بھی علماء اور مشائخ کے تجارت کرنے کو عیب سمجھتے ہیں، جس طرح کفار انبیاء کے کسی دنیوی پیشے میں مشغول ہونے کو عیب سمجھتے تھے، اس زمانے میں مسلمان علماء اور مشائخ کی کسی تجارتی یا کسی بھی دنیاوی مشاغل میں مشغول ہونے کو عیب سمجھتے ہیں، میں نے اہم بات عرض کی ہے، ایک معلم کا، ایک مدرس کا تجارت کرنا ایک غیر عالم کے تجارت کرنے سے زیادہ اہم اور ضروری ہے، دو وجہوں سے، تاکہ اس کی دینی خدمات مخلوق سے استغنا کے ساتھ ہو اور دوسری بات -- میں کتنی اہم بات عرض کررہا -- ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عمل بتلا رہا ہے کہ عمر خلافت مجھے تجارت سے نہیں روک سکتی، آپ سوچیے تو سہی، سارے مسلمانوں کے تمام امور کی ذمہ داری، سارے مسلمانوں کی، جہاں جہاں تک اسلام پہنچ گیا عالم میں، وہاں کے تمام مسلمانوں کے امیر، کتنا کام ان کے ذمہ ہوگا؛ لیکن وہ ان ساری مشغولی کے ساتھ تجارت کرنے کو نہ خلافت میں مخل سمجھتے ہیں اور نہ عیب سمجھتے ہیں، وہ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ خلافت میں مخل ہوگی، فرمایا کہ کیوں مخل ہوگی؟ یہ کام بھی کریں گے، تجارت بھی کریں گے، تو میں یہ عرض کررہا، دوسری وجہ یہ ہے علماء کے تجارت کرنے کی تاکہ یہ بازار میں بھی اتریں، عدالت میں بھی اتریں، یہ بینکاری میں اور دنیا کے تمام شعبوں میں داخل ہوں تاکہ مسلمانوں کا ان سے دنیاوی شعبوں میں عملی واسطہ پڑے، کتابی واسطہ پڑرہا ہے، میں اس کو دین کے لیے کافی نہیں سمجھتا، کتابی تعلیم عملی تعلیم نہیں ہے، آپ نے غیر عملی تعلیم کو تعلیم پر محدود کیا ہوا ہے، سمجھ میں آرہی ہے، غیر عملی تعلیم پر کتابی تعلیم پر محدود کیا ہوا ہے، غیر عملی تعلیم **پر** محدود کیا ہوا ہے تعلیم کو، حضرت عمرؓ کے زمانے میں کسی کو اجازت نہیں تھی کہ تجارت کے امور اور اس کے احکام کا امتحان دیے بغیر مدینے میں **دکان کھول لے**، ہم تو مسلمانوں کو نماز روزہ سکھانا چاہتے ہیں، ہم تو ان کو اسلامی تجارت دکھانا چاہتے ہیں، آؤ مدینہ میں اسلامی تجارت دیکھو، اس لیے عرض **کررہا کہ یہ خیال** غلط خیال ہے کہ معلم ہو یا متعلم اس کی ضروریات کا کوئی کفیل ہوجائے، میں سمجھتا ہوں کہ اس سے **معلم** اور **متعلم** دونوں کا مجاہدہ ناقص **ہورہا ہے، دونوں کا مجاہدہ ناقص** ہورہا ہے معلم کا بھی اور متعلم کا بھی اور دونوں خوش ہیں کہ اچھا ہے چلو مالدار لوگ ہماری ضروریات کا تکفل کررہے ہیں تو کیا **ضرورت ہے ہمیں کچھ کرنے کی؟ پڑھانے** والے بھی خوش، پڑھنے والے بھی خوش، جب عزیمت ختم ہوجاتی ہے تو پھر آدمی کا رخصت معمول بن جاتی

دار الافتاء
دار العلوم دیوبند

ہے، پھر عزیمت کا بیان کرنا لوگ رخصت کا انکار اور اس کی تردید سمجھتے ہیں، وہ ان سے برداشت نہیں ہوتی، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر رد ہے، حالانکہ آپ پر رد نہیں ہے، بلکہ اصل چیز کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے، تو ہم نے عرض کیا کہ تعلیم و تعلم کے ساتھ اپنی ضروریات کا خود کفیل ہونا یہ صحابہ کرام کی، خلفائے راشدین کی، یہ انبیاء علیہم السلام کی صفت ہے، ضرورت ہی نہیں ہے صرف، صفت ہے، ضرورت تو کیسے بھی پوری ہو جائے گی، میں تو کہتا ہوں کہ یہ ایک صفت ہے کہ انبیاء تجارت کریں، ہر نبی نے کوئی پیشہ اختیار کیا ہے، نبی لوہار بھی ہیں، اور بڑھئی بھی ہیں اور کارپینٹر بھی ہیں، وہ کام کیے جن کاموں کو مسلمان اس زمانے میں عیب سمجھتا ہے، وہ کام نبیوں نے کیے ہیں، جو اس زمانے میں معیوب سمجھے جاتے ہیں، اور آپ آج یہاں پہنچ گئے ہیں کہ کوئی اچھی تجارت کرنا بھی آپ تعلیم کے ساتھ عیب سمجھتے ہیں"۔ (تعلیم حیاۃ الصحابہ بتاریخ ۲۹ اپریل ۲۰۲۳ء)

حضرات اکابر!

یہ بیان، بہت گمراہ کن معلوم ہوتا ہے، اس بیان میں مقرر صاحب نے عوام کو کھلم کھلا یہ تاثر دیا ہے کہ ساری دنیا میں وہی اکیلے عزیمت کے داعی ہیں، اس لیے علماء ان کی مخالفت کرتے ہیں، آپ حضرات نے بلا خوف لومۃ لائم ایک بڑا قدم اٹھایا تھا اور متفقہ فتویٰ جاری کیا تھا، پھر دوسری تحریر میں لکھا تھا کہ وہ ایک نئی جماعت بنا رہے ہیں؛ لیکن دار العلوم دیوبند کے دشمن بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے دار العلوم دیوبند اور ہمارے اکابر پر بے ہودہ قسم کے الزامات لگانے کی ایک مہم چھیڑ رکھی ہے، قسطیں لکھتے رہتے ہیں، ہمیں دیوبند کے اکابر پر کامل اعتماد ہے کہ وہ حق کے معاملے میں ہر گز کسی سے متاثر نہیں ہو سکتے۔

ہم نے آپ حضرات کی خدمت میں اس سے پہلے بھی جو بیانات ارسال کیے ہیں جن میں سے بعض میں انبیاء علیہم السلام کی شان میں بے ادبی کی گئی ہے اور بعض بیانات میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ آج تعلیم اور دعوت کا نظام سنت طریقہ سے ہٹ چکا ہے، ان سب کا جائزہ لینے کے بعد مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) مقرر صاحب کے یہ بیانات کیا از روئے شرع درست ہیں؟ کیا ایسے شخص کی غلط باتوں کو آگے پھیلانا اور آگے بڑھانا جائز ہے؟

(۲) جو لوگ ایسے شخص کا دفاع کر رہے ہیں اور غلط دلائل فراہم کر رہے ہیں، ان کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

(۳) بعض لوگ عوام کو یہ بھی سمجھاتے ہیں کہ دار العلوم دیوبند کے لوگ، ہمیشہ تبلیغ کے مخالف رہے ہیں، کیا دار العلوم دیوبند واقعی تبلیغی جماعت کا مخالف ہے؟

ان سوالوں کا جواب ہمیں واضح الفاظ میں مطلوب ہے، آپ حضرات کے علم میں یہ بات بھی لانا چاہتے ہیں کہ دار العلوم دیوبند کے دوٹوک موقف سامنے نہ آنے کی وجہ سے علمائے کرام کے لیے دینی رہنمائی میں سخت مشکلات پیش آ رہی ہیں، کتنے ائمہ کو امامت سے بے دخل کیا جا چکا ہے، جب کہ ہر جگہ گول مول اور متضاد باتیں پھیلی ہوئی ہیں، کوئی کہتا ہے کہ رجوع ہو گیا، اس لیے ہم مجبوراً ایک بار پھر دار العلوم دیوبند سے رجوع کر رہے ہیں، وہی ہمارے لیے احقاق حق اور ابطال باطل کا سب سے بڑا مرکز ہے، صاف لفظوں میں ہمیں سوالات کے جوابات مطلوب ہیں، اگر ہمارا تاثر غلط ہے تو ہماری غلطی کی نشاندہی کر دی جائے۔ فقط والسلام

عبد الرشید خادم مدرسہ ضیاء العلوم قصبہ سیہور ضلع ودیشہ ایم پی

محمد خالد ندوی خادم مدرسہ

محمد اسلم ... رحمت ... ضلع ودیشہ ایم پی

... خادم مدرسہ دار العلوم محمدیہ ... ضلع ودیشہ ایم پی

خاکسار
حضرت مولانا مفتی ضیاء اللہ خان صاحب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ مسجد ترجمہ والی بھوپال۔

... خادم مدرسہ جامعہ اسلامیہ دار العلوم مسجد بنگلہ والی بینا ضلع ساگر

حبیب اللہ ... مفتی ... قاسمی
استاذ مدرسہ دار العلوم بینا ضلع ساگر ایم پی

مفتی ... خادم مدرسہ انوار العلوم ... ضلع بھوپال

مولوی ... استاذ مدرسہ ھذا

محمد عرفان عالم قاسمی خادم جامعہ عرفان العلوم ... بھوپال

محمد ابرار خادم مدرسہ ضیاء العلوم سیہور ضلع ودیشہ ایم پی

محمد محبوب قاسمی مفتی شہر راحت گڑھ ضلع ساگر ایم پی

محمد ظہیر صاحب قاضی شہر ضلع رائسین ایم پی

محمد رضوان قاسمی استاذ دار الافتاء جامعہ اسلامیہ عربیہ مسجد ترجمہ والی بھوپال

Ref.: .... حوب ع ۸۰۵ / ب / ۱۴۴۴ھ Date: ....

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق دارالعلوم دیوبند نے اپنی آخری تحریر (مجریہ ۳۱ جنوری ۲۰۱۸ء) میں شخص مذکور کے افکار ونظریات سے متعلق لکھا تھا کہ:

’’دارالعلوم کے موقف میں اصلاً جس فکری بے راہ روی پر تشویش کا اظہار کیا گیا تھا، اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا؛ اس لیے کہ کئی بار رجوع کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ان کے ایسے نئے بیانات موصول ہورہے ہیں جن میں وہی مجتہدانہ انداز، غلط استدلالات اور دعوت سے متعلق اپنی ایک مخصوص فکر پر نصوص شرعیہ کا غلط انطباق نمایاں ہے، جس کی وجہ سے خدام دارالعلوم ہی نہیں؛ بلکہ دیگر علمائے حق کو بھی ان کی مجموعی فکر سے سخت قسم کی بے اطمینانی ہے، ہمارا یہ ماننا ہے کہ اکابر رحمہم اللہ کی فکر سے معمولی انحراف بھی شدید نقصاندہ ہے، ان کو اپنے بیانات میں محتاط انداز اختیار کرنا چاہیے اور اسلاف کے طریق پر گامزن رہتے ہوئے نصوص شرعیہ سے ذاتی اجتہادات کا سلسلہ بند کرنا چاہیے؛ کیونکہ موصوف کے ان دوراز کار اجتہادات سے ایسا لگتا ہے کہ خدانخواستہ وہ کسی ایسی جدید جماعت کی تشکیل کے درپے ہیں جو اہل السنۃ والجماعۃ اور خاص طور پر اپنے اکابر کے مسلک سے مختلف ہوگی‘‘۔

اس تحریر کے اجراء کے بعد سے اب تک ہم خدام دارالعلوم کے پاس وقفہ وقفہ سے مقرر موصوف کے ایسے بیانات موصول ہوتے رہے ہیں جن کو پڑھ کر بلا تردد یہ بات لکھی جاسکتی ہے کہ معاملہ صلاح کے بجائے غلط اجتہادات، دین وشریعت میں تحریفات اور خود ساختہ نظریات پر اصرار کی طرف بڑھتا ہی جارہا ہے، علمائے بھوپال کی طرف سے ماضی قریب کے جو تازہ بیانات ہمیں بھیجے گئے ہیں (جس میں ۱۳ مئی ۲۰۲۳ء میں فجر بعد کا بیان بھی شامل ہے) ان سے دارالعلوم دیوبند کا یہ موقف مبنی برحقیقت ثابت ہوتا ہے کہ معاملہ جزوی غلط بیانی کا نہیں ہے؛ بلکہ کج فکری، کم علمی اور اہلیت نہ ہونے کے باوجود اجتہاد واستنباط پر جسارت کا ہے جس کی وجہ سے تحریفات کا ایک مستقل سلسلہ جاری ہے، اس سے زیادہ خطرناک یہ کہ ان کے متبعین غلط نظریات پر بے بنیاد دلائل سوشل میڈیا پر خوب عام کررہے ہیں اور گویا دارالعلوم اور اس کے خدام کے بارے میں بے جا الزامات واتہامات کی ایک مہم چھیڑ رکھی ہے، اب تک اس سے صرف نظر ہی کیا گیا ہے؛ لیکن جب جمہور امت کے خلاف منکرات اور جہالت پر مبنی باتیں عوام میں چل رہی ہوں اور عوام کے سامنے ہمارے اکابر رحمہم اللہ کے مسلک کی سراسر غلط ترجمانی کی جارہی ہو اور ’’سیرت صحابہ‘‘ کے عنوان سے خیر القرون کا غلط اور خود ساختہ نقشہ امت کے سامنے پیش کیا جارہا ہو اور مسجد مسجد ان گمراہ کن باتوں کو آگے پھیلایا جارہا ہو تو امت کو گمراہی سے بچانے کے لیے صحیح اور واضح موقف پیش کرنا یقیناً ایک ناگزیر ذمہ داری ہوجاتی ہے۔

سوال میں ۲۹ اپریل ۲۰۲۳ء کا جو بیان نقل کیا گیا ہے اس کے مفصل جائزہ سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ مقرر صاحب نے دینی خدمات میں مشغول افراد کے بارے میں اپنے جس خیال کو پیش کیا ہے، وہ اُن کا کوئی نیا اور پہلا انحراف نہیں ہے، دارالعلوم دیوبند اور دوسرے اہل حق علماء کی طرف سے اس پر پہلے بھی متنبہ کیا جاچکا ہے؛ لیکن اس کے باوجود وہ عوامی مجمع میں اپنے اسی پرانے غلط نظریہ کو کسی نا کسی عنوان کے تحت مسلسل دوہراتے رہتے ہیں؛ لیکن زیر نظر بیان ان کے سابقہ بیانات کے مقابلے اور بھی زیادہ خطرناک ہے، اس لیے کہ اس میں انھوں نے علماء، محدثین، مشائخ اور مدارس دینیہ میں عوامی کفالت کے مروج نظام کو واضح الفاظ میں بے وقار کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ امر بالکل بے غبار ہے کہ مقرر صاحب نے دینی خدمات میں مشغول ویکسو رہنے والے افراد کو جن بنیادوں پر (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کی پیروی، مخلوق سے استغنائیت، مجاہدہ کی تکمیل، عوام کو عملاً تجارت سکھلانا اور دینی کاموں میں تعاون حاصل کرنا) تجارت اور اسباب معیشت اختیار کرنے کی

الجامعۃ الاسلامیہ دار العلوم دیوبند الہند

Darul Uloom Deoband

PIN 247554, U.P. INDIA

دار الافتاء

Darul Ifta

دار الافتاء دار العلوم دیوبند

Ref: .... Date: ....

ترغیب دی ہے اور عوام کے سامنے جو یہ تاثر پیش کیا ہے کہ طلبہ، اساتذہ اور خدام دین کا معیشت اور اپنے اخراجات کے تعلق سے موجودہ طریقہ کار صحابہ کرام کی سیرت کے خلاف ہے، یہ بنیادیں اور یہ تاثر بالکل غلط ہے، بنیادیں بھی غلط ہیں اور سیرت کا عنوان بھی جہالت پر مبنی ہے، صحیح یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو حضرات ایسی خدمات میں مشغول تھے جن کا تعلق عامۃ المسلمین کے مصالح دینیہ سے تھا، ان کی معیشت کے لیے عوامی کفالت کا باضابطہ نظام قائم تھا اور بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر کیا جاتا تھا، ایسے خدام دین نے اپنی معاشی کفالت کے لیے بیت المال کے وظیفہ کو قبول فرمایا اور علامہ عینیؒ کی تصریح کے مطابق دور صحابہ میں ایسے افراد کے لیے وظیفے کے اجراء پر گویا اجماع ہو گیا تھا اور عوامی کفالت قبول کرنے اور تجارت نہ کرنے کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ کسب وتجارت دینی خدمت کی کما حقہ ادائے گی میں مخل ہوگی، اس سلسلے میں محدثین، فقہاء اور سیرت نگاروں کی تصریحات اس کثرت سے موجود ہیں کہ جن کا احاطہ مشکل ہے، تاہم چند حوالجات بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ پورا واقعہ جس کو مقرر موصوف نے اپنے غلط استنباطات کی بنیاد بنایا ہے، اس کے تعلق سے محدثین کی تشریحات پر نظر ڈالنا ضروری ہے، حیاۃ الصحابہ میں موجود واقعہ کے الفاظ یہ ہیں:

”رد أبي بكر الصديق رضي الله عنه المال قصة ردّه رضي الله عنه وظيفته من بيت المال، أخرج البيهقي عن الحسن أن أبا بكر الصديق رضي الله عنه خطب الناس فحمد الله وأثنى عليه ثم قال: إنَّ أكيسَ الكَيْس التقوى - فذكر الحديث، وفيه: فلما أصبح غدا إلى السوق فقال له عمر رضي الله عنه: أين تريد؟ قال: السوق، قال: قد جاءك ما يشغلك عن السوق، قال: سبحان الله، يشغلني عن عيالي قال: نفرض بالمعروف؛ قال: ويحَ عمر إني أخاف أن لا يسعني أن آكل من هذا المال شيئاً. قال: فأنفقَ في سنتين وبعض أخرى ثمانية آلاف درهم، فلما حضره الموت قال: قد كنت قلت لعمر: إني أخاف أن لا يسعَني أن آكل من هذا المال شيئاً، فغلبني؛ فإذا أنا متُّ فخذوا من مالي ثمانية آلاف درهم وردوها في بيت المال قال: فلما أُتي بها عمر قال: رحم الله أبا بكر، لقد أتعب من بعده تعباً شديد“ا(حياة الصحابة: ۲/ ۵۱۶، مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت).

یہ واقعہ حدیث اور سیرت کی مختلف کتابوں میں الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ منقول ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلافت قبول کرنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے متفق ہو کر بیت المال سے آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور آپ نے وظیفہ کو قبول فرمایا تھا، مشہور محدث علامہ عبد الحی کتانیؒ نے اپنی معروف کتاب نظام الحکومۃ النبویۃ / التراتیب الادرایۃ میں باضابطہ فصل قائم کی ہے: الفصل الأول في أن لكل من شغل بشيء من أعمال المسلمين أخذ الرزق على شغله ذلك، و الفصل الرابع في أرزاق الخلفاء بعده ﷺ ورضي عنهم، جس کے تحت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اسی واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے ہر اس شخص کے لیے بیت المال سے وظیفہ کا استحقاق ثابت کیا ہے جو مسلمانوں کے اجتماعی دینی خدمت میں مشغول ہو؛ بلکہ اگر حیاۃ الصحابہ میں مذکور واقعہ کے اصل مصدر، یعنی سنن بیہقی کی طرف رجوع کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مشہور محدث وفقیہ امام بیہقیؒ نے اپنی سنن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مذکورہ واقعہ پر یہ باب قائم کیا ہے: باب مايكره للقاضي من الشراء والبيع والنظر في النفقة على أهله وفي ضيعته لئلا يشغل فهمه کہ ایک قاضی کے لیے تجارت کے پیشہ کو اختیار کرنا مکروہ ہے تا کہ اس کی ذہنی یکسوئی متاثر نہ ہو، مزید برآں علامہ عینیؒ وغیرہ محدثین نے اسی واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے عامۃ المسلمین کی دینی خدمت میں مشغول ہر قسم کے افراد کے لیے بیت المال سے وظیفہ لینے اور عوامی کفالت قبول کرنے کی

بات لکھی ہے، بلکہ علامہ نابلسیؒ نے شرح الطریقۃ المحمدیہ میں قاضی خانؒ اور علامہ ابن نجیمؒ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص بھی قرآن وسنت کی تعلیم اور مسلمانوں کی اجتماعی دینی خدمت کے لیے اپنے آپ کو فارغ کرلے وہ بیت المال کے وظیفہ کا مستحق ہوگا خواہ وہ پہلے سے غنی اور مالدار ہو، ہمارے اکابر میں حضرت تھانوی قدس سرہ لکھتے ہیں کہ ''ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر قاضی امیر کبیر ہو تو اس کو بھی تنخواہ لینا چاہیے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی قاضی تنخواہ نہ لے اور دس برس تک وہ قاضی رہا، اس کے بعد کوئی غریب قاضی ہو کر آیا تو اب تنخواہ کا اجراء مشکل ہوگا، سبحان اللہ فقہاء کا کیا فہم، یہ حضرات حقائق شناس تھے''۔ (العلم والعلماء، بحوالہ دعوات عبدیت: ۳/۳۱، ادارہ افادات اشرفیہ لکھنؤ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ نے اپنے رسالہ ''فضائل تجارت'' میں اسی واقعہ کو نقل کرنے کے بعد شرح بخاری کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہر وہ شخص جو مصالح المسلمین میں مشغول ہو، مثلاً: قاضی، مفتی، مدرس ان کا بھی یہی معاملہ ہونا چاہیے۔ (فضائل تجارت، ص: ۶۷، مکتبۃ الشیخ، کراچی)

دیکھیے! علامہ عینیؒ، علامہ کتانیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اور دوسرے شراح حدیث تو اس واقعہ سے عامۃ المسلمین کی دینی خدمت میں مشغول ہر قسم کے افراد کے لیے بیت المال سے وظیفہ لینے اور عوامی کفالت قبول کرنے کی بات لکھ رہے ہیں اور امام بیہقی قضا جیسی دینی خدمت میں مشغول افراد کے لیے تجارت کا پیشہ اختیار کرنے کو ذہنی یکسوئی میں خلل کی وجہ سے مکروہ قرار دے رہے ہیں، جب کہ مقرر موصوف اس واقعہ کو پیش کرکے خدام دین کے لیے تجارت کو ضروری اور معاون خیال کرتے ہیں اور تجارت کے بغیر دینی اشتغال کو ناقص مجاہدہ تصور کرتے ہیں اور خدام دین پر سیرت صحابہ کی خلاف ورزی کا الزام بھی عائد کرتے ہوئے اپنی خود تراشیدہ سیرت کو عزیمت کی دعوت خیال کرتے ہیں۔ ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا۔

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حیاۃ الصحابہ میں جو باب قائم فرمایا ہے، اس کا مقصد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دنیا سے بے رغبتی اور ان کے زہد کو بتانا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کی مشغولی کی وجہ سے تجارت کو چھوڑ کر جس سے ان کی ضروریات بسہولت پوری ہو رہی تھیں، بیت المال کے معمولی وظیفہ پر اکتفا کرلیا تھا، پھر مزید برآں انھوں نے آخری عمر میں بیت المال سے لیے ہوئے وظیفہ کو بھی واپس کرنے کی وصیت فرمادی تھی، یہ ان کے اعلی درجے کے زہد اور تقوی کی بات تھی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ نے بھی فضائل اعمال میں یہ واقعہ صحابہ کرام کے زہد کو بیان کرنے کے لیے نقل فرمایا ہے۔ (ملاحظہ کریں: فضائل اعمال، حصہ اول، حکایات صحابہ، ص: ۵۷، تیسرا باب صحابہ کرام کے زہد اور فقر کے بیان میں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کا بیت المال سے وظیفہ)

مسئلے کی وضاحت کے لیے تو اتنی تفصیل کافی ہے، تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مزید تشفی اور اطمنان کے لیے خیر القرون میں دینی خدمت میں مشغول افراد کی عوامی کفالت اور نظام معیشت سے متعلق محدثین اور فقہائے کرام کی کچھ اور تصریحات ذکر کردی جائیں:

بخاری شریف میں ہے: شیخین رضی اللہ عنہما بیت المال سے گذارہ لیتے تھے، قاضی شریح بھی تنخواہ لیتے تھے اور حضرت عبداللہ بن سعدیؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: مجھے خبر ملی ہے کہ آپ حکومت کے کام کرتے ہیں اور جو تنخواہ دی جاتی ہے تو نہیں لیتے، انھوں نے کہا کہ یہ خبر صحیح ہے، حضرت نے پوچھا: کیوں؟ انھوں نے کہا کہ میں خود کفیل ہوں، میرے پاس گھوڑے اور غلام ہیں اور میرے پاس اور بھی مال ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اپنی خدمت کو مسلمانوں پر خرچ کروں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، میں نے بھی ایسا کرنے کا ارادہ کیا تھا، تو نبی ﷺ نے مجھے منع کیا تھا۔

نیز امام بخاریؒ نے ''باب نفقۃ القیم للوقف'' کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میرے ورثاء کوئی درہم ودینار تقسیم نہ کریں، میں نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ اپنی بیویوں کے خرچہ کے بعد اور اپنے کارندوں کی تنخواہوں کے بعد صدقہ ہے، اس حدیث کے تحت ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ میں اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ نے لامع الدراری کے حاشیہ میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد بنونضیر کی زمین ہے جو اللہ تعالی نے آپ کو بطور فئی عطا فرمائی تھی اور خیبر کی زمین ہے جو آپ کو سہم میں ملی تھی اور فدک کی نصف زمین ہے جو فتح خیبر کے بعد آپ کو اہل خیبر سے صلحا حاصل ہوئی تھی، یہ زمینیں حضور علیہ السلام کے ساتھ مختص تھیں اور حدیث میں مذکور عامل سے مراد خلیفۃ المسلمین ہے اور شارح بخاری علامہ ابن بطالؒ نے اس حدیث میں مذکور جملہ 'مؤنۃ عاملی'' کے ذیل میں لکھا ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنے متروکہ مال کا ایک مصرف چونکہ عامل، یعنی خلیفۃ المسلمین کو بھی قرار دیا ہے جو مسلمانوں کی اجتماعی خدمت میں مشغول رہتا ہے، لہذا ہر وہ شخص جو مسلمانوں کے اجتماعی مصالح میں مشغول ہو، جیسے علماء، قضاۃ اور مؤذن وغیرہ، وہ بھی خلیفہ کی طرح بیت المال سے وظیفہ کا مستحق ہوگا۔

ابن اثیرؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں ایک تاجر پیشہ آدمی ہوں اور میرے اہل وعیال کا خرچ تجارت سے پورا ہو جاتا تھا؛ لیکن اب تم لوگوں کی خدمت کی وجہ سے میں مشغول ہو گیا، پس بیت المال سے لینے کے بارے میں کیا رائے ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! آپ کے لیے اور آپ کے اہل وعیال کے لیے جتنے خرچہ کی ضرورت تو آپ لے لیا کریں، اس پر سب مسلمانوں نے اتفاق کیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے وظیفہ لینا شروع فرمادیا، حافظ ابن حجرؒ امام طبریؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے اجتماعی کام میں جو بھی مشغول ہوگا وہ بیت المال سے وظیفہ کا مستحق ہوگا۔

حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی قدس سرہ حاشیہ ابوداؤد میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں سے متعلق دین کی ہر طرح کی عمومی خدمت پر بیت المال سے وظیفہ لینا جائز ہے، جیسے تدریس، قضاء وغیرہ، بلکہ امام کے لیے ضروری ہے کہ بیت المال سے اس قسم کے مشغول افراد کے معاش کا نظم کرے۔

علامہ برکوی حنفیؒ نے اپنی مشہور تصنیف الطریقۃ المحمدیہ میں اس موضوع پر باضابطہ ایک فصل قائم کی ہے: الفصل الثاني في التورع والتوقي من طعام أهل الوظائف من الأوقاف أو بيت المال الخ اس کے تحت بیت المال کے وظیفہ سے شبہ کی بنیاد پر بچنے کو جہالت قرار دیا ہے اور پھر خلفائے راشدین کے بیت المال سے وظیفہ قبول کرنے کی تصریح کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے: لا فرق بين الوقف وبيت المال وبين غيرهما من المكاسب في الحل والطيب إذا روعي شرائط الشرع ولا في الحرمة والخبث إذا لم تراع بل الأولان أشبه وأمثل في زماننا یعنی : بیت المال اور اوقاف کی آمدنی اور دوسرے ذریعہ معاش میں کوئی فرق نہیں ہے؛ بلکہ بیت المال وغیرہ کی آمدنی زیادہ پاکیزہ ہے۔

حافظ ابن عبد البرؒ نے الاستیعاب میں سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت معاویہؓ کو شام کی ولایت پر سالانہ دس ہزار دینار دیا کرتے تھے ،امام ابو یوسفؒ کتاب الخراج میں فصل فی أرزاق القضاۃ کے تحت لکھتے ہیں کہ جو شخص بھی مسلمانوں کے اجتماعی عمل میں مشغول ہوگا، وہ بیت المال سے وظیفہ لینے کا مستحق ہوگا، چنانچہ خلفائے اسلام کا ہمیشہ معمول رہا کہ وہ قاضیوں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر فرماتے آئے ہیں، علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے کہ آپ دینی تعلیم دینے والوں کے لیے وظیفہ مقرر فرماتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ علامہ زیلعیؒ

تبیین الحقائق میں لکھتے ہیں کہ قاضی کو بیت المال سے وظیفہ اس لیے دیا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے اجتماعی دینی خدمت میں محبوس ہے اور حبس نفقہ کا سبب ہے، صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں بیت المال سے وظیفہ لینے کا معمول تھا، خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد کے خلفاء بقدر ضرورت وظیفہ لیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے؛ بلکہ حافظ سخاویؒ نے لکھا ہے کہ بعض سلف صالحین صرف اس وجہ سے تجارت کرتے تھے تاکہ اپنی آمدنی ان علماء اور محدثین پر صرف کریں جنھوں نے علم دین کی نشر واشاعت کے لیے اپنی زندگی کو فارغ کر رکھا ہے اور اسباب معاش اختیار کرنے کا ان کو موقع نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فضیل بن عیاضؒ سے فرماتے کہ اگر تم اور تمھارے ساتھی، یعنی سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ وغیرہ نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا، ابن عساکر (۵۷۱ھ) نے تاریخ دمشق میں بسند بیان کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں تین معلم بچوں کو دینی تعلیم دیا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے ہر ایک کو ماہوار پندرہ درہم برائے خورد ونوش دیتے تھے، ابو عبید قاسم بن سلامؒ نے کتاب الاموال میں باب الفرض علی تعلم القرآن والعلم میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض عمال کو لکھا کہ تم لوگوں کو قرآن سیکھنے پر وظیفہ دو۔

مؤرخ اسلام قاضی اطہر مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''عہد رسالت میں مقامی اور بیرونی دونوں قسم کے طلبہ کے قیام وطعام کا باقاعدہ انتظام تھا، مقامی طلبہ یعنی اضیاف الاسلام اصحاب صفہ اور دیگر فقراء ومساکین مسجد نبوی میں قیام کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ اور باحیثیت صحابہ ان کو اپنے گھروں پر بلا کر کھلاتے تھے، مسجد نبوی میں صحابہ ان کے لیے کھجور اور پانی رکھتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبلؓ اس کے منتظم تھے اور بیرونی طلبہ یعنی اطراف وجوانب سے آنے والے افراد اور وفود عام طور سے دار رملۃ بنت حارث میں ٹھہرائے جاتے تھے جو دار الضیافۃ کے نام سے مشہور تھا اور اس میں چھ سات سو آدمیوں کے قیام کی گنجائش تھی، ان کے قیام وطعام کا انتظام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذمہ ہوتا تھا، بعض افراد اور وفود دوسری جگہوں میں بھی ٹھہرائے جاتے تھے''۔ (خیر القرون کی دینی درسگاہیں، ص: ۱۴۲)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''جب مکاتب کا عام رواج ہوگیا تو شہروں، دیہاتوں، صحراؤں اور قبیلوں میں شخصی وانفرادی مکتب کھل گئے اور ہر طبقہ نے اپنے ذوق وضرورت کے مطابق بچوں کی تعلیم اور معلموں اور مؤدبوں کے رزق واجرت کا انتظام کیا''۔ (خیر القرون کی دینی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم وتربیت)

دینی خدمات کے ساتھ وظیفہ لینے اور تجارت نہ کرنے کے متعلق حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور دیگر صحابہ کرام کا جو معمول رہا اور فقہائے کرام نے اس سلسلے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اسی کی روشنی میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تجدیدی کتاب ''اصلاح انقلاب امت'' میں نہایت مفصل ومحقق کلام فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''علماء، طلبہ اور دینی خدمت میں مشغول افراد کی مالی خدمت مسلمانوں پر واجب اور ضروری ہے اور یہ نفقہ واجبہ کی ایک اہم ترین قسم ہے جس کی طرف عموماً لوگوں کی توجہ نہیں ہوتی ہے، فقہاء نے فرمایا ہے کہ نفقہ جزائے حبس ہوتا ہے، جیسے رزق قاضی، یعنی قاضی کا نفقہ کہ وہ عام مسلمانوں کی خدمت میں محبوس ہوتا ہے، اس لیے اس کی کفالت تمام مسلمانوں کے مال سے بیت المال کے ذریعے کی جاتی ہے، اسی طرح علماء اور طلبہ کا نفقہ بھی مسلمانوں پر واجب ہے؛ کیونکہ یہ حضرات قوم کی دینی خدمت میں محبوس ومشغول ہیں، اس کی عقلی نظیر بھی ہے کہ بالفرض اگر پوری قوم میں کوئی طبیب نہ بنے تو عقل کہتی ہے کہ پوری قوم پر لازم ہے کہ متفق ہوکر چند افراد کو اس فن کی

طرف متوجہ کرے اوران کے خورد ونوش کا خود انتظام کرے، ورنہ پوری قوم پریشان ہوجائے۔اب جب تک بیت المال کا نظام تھا تب تک اس کے ذریعے مسلمانوں سے یہ نفقہ وصول ہوجاتا تھا؛لیکن اب صرف یہی صورت ہے کہ مسلمان از خود علماء اور طلبہ کی خدمت کریں، مدرسہ کو دے کر یا براہ راست دے کر، آیت قرآنی للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لایستطیعون ضربا فی الارض ہماری تقریر کی واضح دلیل ہے، کیونکہ لام استحقاق کا ہے، احصروا احتباس پر دلالت کررہا ہے، فی سبیل اللہ کی تفسیر طالب علم کے ساتھ منقول ہے، لایستطیعون ضربا معاش کے لیے فرصت نہ ملنے کی طرف مشیر ہے، ان تمام چیزوں کے بعد علماء وطلبہ سے یہ پوچھنا کہ معاش کا کا انتظام کررکھا ہے عجیب بات ہے، پوچھنے کا حق تو نہیں تھا، اس تقریر کے مطابق اس مسئلے میں امام شافعی کے قول پر فتوی دینے کی ضرورت ہی نہ رہی؛ کیونکہ یہ تو قوم کے اوپر واجب شدہ نفقہ اور کفالت ہے جو کہ عندالاحناف جزائے حبس ہے اوراس کا متعین ہونا قطع نزاع کے لیے ہوگا، نہ کہ اجرت ہونے کے سبب، اب یہ شبہہ کہ کیسے علماء معاش کے لیے فارغ نہیں ہوسکتے ناقابل تسلیم ہے؛ کیونکہ جو معاش میں لگتا ہے، وہ ایسی خدمت میں نہیں کرپاتا جیسی کہ فارغ ہوکر کرلیتا ہے، یہ بات تجربہ سے ثابت ہے اور تجربہ کی باتوں میں بحث نہیں کی جاسکتی، اسی طرح قرآن دیکھو کہ جو لایستطیعون فرمایا ہے، وہ لوگ اپاہج نہ تھے؛ بلکہ حد درجہ خدمت دین میں مشغول تھے"۔(اصلاح انقلاب امت:۲/ ۱۹۰ تا ۱۹۳، زکریا، دیوبند، حضرت تھانویؒ کے اصل الفاظ حوالجات کے تحت دیکھیں)

نیز حضرت تھانویؒ نے ایک وعظ میں فرمایا کہ:"اس آیت (للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لایستطیعون ضربا فی الارض) سے معلوم ہوا کہ ایسی جماعت کو ذرائع تحصیل معاش میں بالکل مشغول نہ ہونا چاہیے، لایستطیعون ضربا فی الارض اس پر دلالت کررہا ہے اوراس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ علماء دنیوی معاش میں اپاہج ہیں اور ثابت ہوگیا کہ بایں معنی اپاہج ہونا ضروری ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ ایک شخص سے دوکام نہیں ہوا کرتے، خصوصاجب کہ ایک کام ایسا ہو کہ ہر وقت اس میں مشغول ہونے کی ضرورت ہو"۔

(العلم والعلماء، ص:۱۶۱، بحوالہ حقوق العلم، ص:۱۵)

بیت المال سے ملنے والی بادشاہ کی تنخواہ اور عوامی چندہ سے ملنے والی مدرسین کی تنخواہ کے درمیان وجہ تطابق پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

"بادشاہ کو جو خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے، وہ بھی محض اس لیے کہ وہ رعایا کے کام میں محبوس ہے؛ کیونکہ بادشاہ وہ ہے جس کو ساری قوم حاکم بناتی ہے اوراس کو بیت المال کے خزانہ سے تنخواہ دیتی ہے، اب یہ دیکھو کہ وہ خزانہ کس چیز کا نام ہے، میں اس کی حقیقت بتلاتا ہوں، ساری قوم سے جو چندہ جمع کیا جاتا ہے کہ ایک پائی زید کی ایک پائی عمرو کی اور ایک پائی بکر کی جس کوٹھری میں جمع کیا جاتا ہے، اس کا نام خزانہ ہے، حقیقت اس کی وہی چندہ ہے، وہ بھی قومی چندہ ہے، اسی سے بادشاہ کو تنخواہ ملتی ہے، صرف خزانہ لفظ سے اس کی عزت بڑھ گئی، لوگ کہتے ہیں کہ یہ خزانہ شاہی ہے مگر حقیقت اس کی وہی قومی چندہ ہے، پس یہی حقیقت اس چندہ کی ہے جس سے مولویوں کو تنخواہ ملتی ہے"۔(العلم والعلماء، ص:۱۶۹، بحوالہ التبلیغ:۲/ ۷۲، ادارہ افادات اشرفیہ لکھنؤ)

ان تصریحات سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ جو لوگ دینی خدمات میں مشغول ہیں ان کی کفالت عامۃ المسلمین کے ذمہ ہے اور ایسی کفالت قبول کرنا نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ عین منشا شریعت کے مطابق اور موجودہ زمانے میں مستحسن ہے اور صحابہ کرام اور سلف صالحین کی

الجامعۃ الاسلامیۃ دارالعلوم دیوبند الہند
Darul Uloom Deoband
PIN 247554, U.P. INDIA
دارالافتاء
Darul Ifta
دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

Ref: .... Date: ....

سیرت سے ثابت ہے، نیز ہمارے اکابر رحمہم اللہ نے عوامی چندہ پر مبنی ایک مضبوط، مستحکم اور مفید تعلیمی نظام کو رائج کرنے میں انتھک کوششیں صرف فرمائی ہیں اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ نے دارالعلوم دیوبند کے لیے جو اصول ہشت گانہ مرتب فرمائے تھے، اس کی پہلی اور دوسری شق میں تکثیر چندہ کی فکر اور طلبہ کے قیام وطعام کی افزائش کی سعی کی طرف خصوصی توجہ دلائی گئی ہے تاکہ دین کے تحفظ و اشاعت کا کام یکسوئی اور انہماک کے ساتھ انجام دیا جاسکے۔

لہذا مقرر صاحب کا دینی خدمات میں مشغول افراد کو تجارت کی دعوت اس بنیاد پر دینا کہ وہ اپنی کفالت خود کرکے مخلوق سے استغنائیت حاصل کریں اور ان کا مجاہدہ کامل ہو؛ بجائے خود سیرت سے ناواقفیت پر مبنی ہے، دینی خدمت اختیار کرتے ہوئے ذہنی یکسوئی اور جمعیت قلب کے لیے تنخواہ اور وظیفہ کو قبول کرنا تجارت سے بھی افضل ہے، اگر خلوص نیت کے ساتھ حسبۃ للہ یہ خدمت انجام دی جائے تو علامہ شامی اور حضرت تھانوی قدس سرہ کی تصریح کی مطابق اس میں دوہرا اجر ہے، ایک علم دین کی اشاعت کا، دوسرے اہل وعیال کے لیے تحصیل معاش کی ذمہ داری پوری کرنے کا۔ (ملاحظہ کریں: شامی باب الاذان، اختری بہشتی زیور، گیارہواں حصہ، ص: ۱۳۸) بلکہ بعض مصالح کے سبب بلا ضرورت بھی تنخواہ قبول کرلینا مستحسن قرار دیا گیا ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ نے مالدار قاضی کے رزق قبول کرنے میں خاص مصلحت بیان کی ہے (العلم والعلماء، ص: ۱۷۲، بحوالہ الکلام الحسن، ص: ۲۳، ادارہ افادات اشرفیہ لکھنؤ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ فضائل تجارت میں لکھتے ہیں:

''میں پہلے لکھ چکا کہ میرے نزدیک تجارت افضل ہے وہ بحیثیت پیشہ کے ہے؛ اس لیے کہ تجارت میں آدمی اپنے اوقات کا مالک ہوتا ہے، تعلیم وتعلم، تبلیغ اور افتاء وغیرہ کی خدمت بھی کرسکتا ہے؛ لہٰذا اگر اجارہ دینی کاموں کے لیے ہو تو وہ تجارت سے بھی افضل ہے؛ اس لیے کہ وہ واقعی دین کا کام ہے؛ مگر شرط یہ ہے کہ وہی کام مقصود ہو اور تنخواہ بدرجہ مجبوری ہے، میرے اکابر دیوبند کا زیادہ معاملہ اسی کا رہا اور اس کا مدار اس پر ہے کہ کام کو اصل سمجھے اور تنخواہ کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ؛ اسی لیے کسی جگہ پر اگر کوئی دینی کام کررہا ہو تدریس، افتاء کا وغیرہ وغیرہ اور اس سے زیادہ کسی دوسرے مدرسہ میں زیادہ تنخواہ ملے تو پہلی جگہ کو محض کثرتِ تنخواہ کی وجہ سے نہ چھوڑے''۔

پھر دینی خدمات میں مشغولی کے ساتھ تجارت وغیرہ کا پیشہ اختیار کرنا محدثین، فقہاء اور ہمارے اکابر کی تصریحات وتجربات کی رو سے دینی خدمات میں مخل ہے؛ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ لکھتے ہیں:

''میرا تو کئی سال سے یہ معمول ہے کہ اہلِ مدارس کو مشورہ دیتا ہوں کہ بغیر تنخواہ کے مدرس نہ رکھا جائے اور اپنا ذاتی تجربہ اپنے مدرسہ کا یہ ہے کہ ابتداء میں مَیں نے مظاہر علوم میں معین المدرسی کا درجہ شروع کیا تھا جس کو ایک دو سبق مدرسہ کے اور بقیہ اوقات میں اپنا کوئی تجارتی کام کرنے کا مشورہ دیتا تھا؛ مگر ایک ہی سال بعد ان کی توجہ پڑھانے کی طرف کم ہوگئی اور تجارتی کام میں لگ گئے اور شدہ شدہ دینی کام چھوٹ گیا اور بے تنخواہ مدرس جس بے توجہی سے کام کرتے ہیں، تنخواہ دار نہیں کرتا۔۔۔ اسی واسطے ہمارے اکابر کا یہی دستور رہا ہے؛ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ نے ابتداء میں سہارنپور میں دس روپے تنخواہ پر بچوں کو پڑھانے کے لیے ملازمت کی اور حضرت نانوتویؒ کے متعلق بھی گزر چکا کہ کچھ دنوں حدیث پڑھانے پر اور تصحیح کتب پر تنخواہ لی اور حضرت تھانویؒ کا قصہ مشہور ہے ابتداء میں کانپور میں ملازمت کی''۔ (فضائل تجارت، ص: ۵۲ تا ۶۲، مکتبۃ الشیخ، کراچی)

باسمہ تعالیٰ

الجامعۃ الاسلامیہ دارالعلوم دیوبند الہند

Darul Uloom Deoband

PIN 247554, U.P. INDIA

دارالافتاء

Darul Ifta

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

Ref: .... Date: ....

مزید برآں موصوف نے طلبہ اور علماء کو نشانہ بناتے ہوئے ان کے معاش کے سلسلے میں جو تجویز پیش کی ہے اور اپنی تجویز کی جو بنیادیں بتائی ہیں، افسوس کہ ان ہی خیالات کا اظہار ایک مدت سے متجددین کرتے آئے ہیں، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

"بعض حضرات دینی مدارس کی خیر خواہی اور ہمدردی میں یہ تجویز بھی پیش فرماتے رہے ہیں کہ ان درسگاہوں میں دست کاری کے ہنر سکھانے اور دوسری ٹیکنیکی تربیت کا بھی انتظام ہونا چاہیے تاکہ جو علماء یہاں سے فارغ التحصیل ہوں، وہ معاشی اعتبار سے معاشرے پر بوجھ بننے اور دوسروں کے دست نگر ہونے کے بجائے اپنے معاش کا انتظام اپنے ہاتھ کے ہنر سے کر سکیں اور دین کی خدمت کسی معاوضہ کے بغیر انجام دیں، یہ تجویز خواہ کتنی نیک نیتی سے پیش کی گئی ہو اور بظاہر کتنی خوشنما معلوم ہوتی ہو، حقیقت پسندی سے بہت دور اور ناقابل عمل ہے، پہلی بات تو وہی ہے کہ اگر دینی مدارس کا مقصد قرآن وسنت کے علوم میں بصیرت رکھنے والے علماء پیدا کرنا ہے تو یہ علوم اپنی تحسین اور اپنی خدمت کے لیے پورا وقت چاہتے ہیں اور آج کی زندگی اس قدر پیچیدہ ہوگئی ہے، اس میں تجربہ یہی ہے کہ ٹیکنیکی کاموں میں لگ جانے کے بعد ان علوم کی خدمت محض ایک آرزو ہو کر رہ جاتی ہے جو ساری عمر پوری نہیں ہوتی، بعض طلبہ نے علم دین کے ساتھ یہ ٹیکنیکی ہنر سیکھے؛ لیکن اس عملی تجربہ میں شاید کوئی استثناء نہ ہو کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اگر طالب علم دینی علوم کی خدمت میں لگا تو اپنے ہنر کی طرف توجہ نہ دے سکا اور اس ہنر کے ذریعے کسب معاش میں مصروف ہوا تو علم دین سے تعلق باقی نہ رکھ سکا، لہٰذا جو مدارس اعلیٰ قابلیت کے علماء تیار کرنے کے لیے قائم ہوئے ہیں، ان کے لیے یہ نہ ممکن ہے اور نہ مناسب کہ وہ اپنے طلبہ کو علوم دین کے ساتھ تکنیکی تربیت دینے کا بھی انتظام کریں، دوسرے یہ عجیب تصور ہے کہ اگر کوئی شخص معاشرے کے دینی ضروریات پوری کر کے کوئی اجرت یا تنخواہ وصول کر رہا ہے تو وہ معاشرے پر بوجھ یا دوسروں کا دست نگر بن گیا ہے، علم وفن کے ہر شعبے کا قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص علم وفن میں مہارت حاصل کر کے اس شعبے میں معاشرے کی خدمت انجام دیتا ہے، اس کا معاش بھی اسی شعبے سے وابستہ ہوتا ہے اور اگر وہ اس شعبے میں معاشرے کی خدمت انجام دینے کی بناء پر کوئی اجرت یا تنخواہ وصول کرتا ہے تو اس میں معاشرے پر بوجھ بننے یا کسی کا دست نگر ہونے کا کوئی سوال نہیں؛ بلکہ یہ اس معاشرتی نظام کا ایک لازمی حصہ ہے جس پر پوری انسانیت کی بنیاد قائم ہے، اگر کوئی طبیب، انجینئر، ماہر معاشیات یا سائنس داں اپنے شعبے میں معاشرے کی خدمت کرتا ہے اور اس کے صلے میں معاشرہ اسے معاشی فوائد بہم پہنچاتا ہے تو یہ نہ اس پر کسی کا احسان ہے اور اس کی بناء پر یہ سمجھنا درست ہے کہ وہ معاشرے پر بوجھ بن رہا ہے یا دوسروں کا دست نگر ہے، سوال یہ ہے کہ کیا علوم دین کی خدمت معاشرے کی کوئی ضرورت نہیں؟ کیا ایک مسلمان معاشرے کو ایسے اہل علم کی حاجت نہیں جو ان کی دینی ضروریات پوری کر سکیں؟ ان کو نت نئے مسائل میں دین کی رہنمائی فراہم کر سکیں؟ ان کے بچوں کو دینی تعلیم دے سکیں؟ ان کے دینی مستقبل کے تحفظ کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر سکیں؟ دین پر حملہ آور فتنوں کا موثر تعاقب کر سکیں؟ اگر یہ ایک مسلمان معاشرے کی اولین ضرورت ہے اور کون ہے جو اس حقیقت کا انکار کر سکے تو اگر معاشرہ ان خدمات کے صلہ میں ایسے اہل علم کو اپنے معاش سے بے فکر کرنے کے لیے اپنا فریضہ ادا کرتا ہے تو کونسا احسان ہے جو ان اہل علم پر کیا جا رہا ہے اور اس کی بناء پر یہ خیال آخر کیوں پیدا ہوتا ہے کہ وہ معاشرے پر بوجھ اور دوسروں کے دست نگر ہیں؟ اس لیے انہیں اپنی معاشی کفالت کے لیے کوئی اور ہنر سیکھنا چاہیے"۔ (ہمارا تعلیمی نظام، ص:۸۸ تا ۹۰، زمزم بک ڈپو، دیوبند)

الجامعۃ الاسلامیہ دارالعلوم دیوبند الہند
Darul Uloom Deoband
PIN 247554, U.P. INDIA
دارالافتاء
Darul Ifta

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

Ref.: .... Date: ....

الحاصل: ماقبل کی تفصیلات سے یہ بات صاف ہوگئی کہ مقرر صاحب نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے جو دوراز کار اجتہادات واستنباطات کیے ہیں، وہ سراسر غلط ہیں اور حیاۃ الصحابہ کے ترجمۃ الباب اور اصل واقعہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، پس کس قدر جرءت آمیز یہ دعوی ہے کہ ان طویل صدیوں میں تمام ہی اکابرامت نہج صحابہ سے منحرف اور تن آسانی اور تاویلات کر کے غیر شرعی چیز کو شریعت کا جزء بنانے کے مرتکب رہے اور گزشتہ طویل صدیوں میں پوری امت تاویل پرست علماء کی زد میں رہی اور عزیمت پسند علماء کا سلسلہ منقطع رہا اور ہنوز منقطع ہے، ہمارے اکابر واسلاف پر بلاشبہ اس سے بڑی تہمت اور کیا ہوسکتی ہے، کس قدر سخت حملہ ہے تمام علمائے امت پر کہ وہ رخصت کے اس طرح عادی ہوگئے؛ بلکہ موصوف کے الفاظ میں تن آسانی اور تاویل پسندی کے اس قدر دلدادہ ہوگئے کہ اصل اور حق بات ان سے برداشت نہیں ہوتی اور وہ اس کی مزاحمت ومخالفت کے لیے کھڑے ہوجاتے ہیں، پھر اس دعوی کے نتائج پر بھی غور کرنا چاہیے، اس بیان کے سننے کے بعد عوام جو اپنے واعظ صاحب کی ہر بات کو حرف آخر سمجھتی ہے، صرف اُن علماء کو قدر کی نگاہ سے دیکھے گی جو تجارت میں مشغول ہیں اور جو ان کے خودساختہ معیار پر پورے نہیں اتریں گے وہ سب ان کی نگاہ میں بے اعتبار قرار پائیں گے، مقرر صاحب کا یہ خیال کرنا کہ دینی خدمات کے ساتھ وظیفہ قبول کرنے سے مجاہدہ ناقص ہوگا، اس کی زد بجائے خود حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی عنہما جیسی عزیمت کی پیکر شخصیات پر پڑتی ہے کہ عوامی کفالت قبول کرنے کی وجہ سے نعوذ باللہ ان کا مجاہدہ ناقص تھا، حالانکہ تجارت کو ترک فرما کر معمولی وظیفہ کے ساتھ ہمہ وقت مسلمانوں کی اجتماعی خدمت میں مشغول رہنا اعلی درجہ کی عزیمت کی بات تھی، آج بھی جو طالبان علوم نبوت، علمائے کرام، محدثین اور دینی خدام صحابہ کرام اور سلف صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دنیوی اسباب معاش کو چھوڑ کر معمولی وظیفے پر علم دین کے تحفظ واشاعت میں زندگیاں کھپا رہے ہیں، یہ بلاشبہ ان کی عزیمت کی بات ہے۔

یہ تبصرہ تو سوال میں مذکور ۲۹ اپریل ۲۰۲۳ء کے بیان کا تھا جو معاملہ کی نزاکت کی وجہ سے طویل ہوگیا، لیکن مقرر صاحب کی مجموعی فکر اور ان کے متبعین کی طرف سے سوشل میڈیا پر پھیلائے جارہے غلط دلائل کے جائزے کے لیے ضروری تھا، اس کے بعد مزید کسی بیان کا جائزہ لینے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے، تاہم اتمام حجت کے لیے ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

علمائے بھوپال اور دیگر مستفتیان نے جو دوسرے بیانات ارسال کیے ہیں، ان کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مقرر موصوف نے اپنی ذاتی آراء اور تحریفات کو امت میں چلانے کے لیے ''سیرت صحابہ'' کا خوشنما عنوان تجویز کیا ہے، ان کا سارا زور اپنی ذہانت وطباعی سے سیرت اور تاریخی واقعات سے سلف صالحین کی تصریحات سے آزاد ہوکر براہ راست اختراع کرنے اور امت کو براہ راست سیرت پر غور وخوض کرنے کی طرف دعوت دینے پر صرف ہو رہا ہے، پہلے ان کے یہ جملے ملاحظہ کریں:

''آپ ذرا غور کریں سیرت پر''۔ ''پکی بات آپ دیکھ لو سیرت میں''۔ ''میں کہہ رہا تھا سیرت سیرت، اسی میں ترقی ہے اسی میں حفاظت ہے کام کی بھی کام کرنے والوں کی بھی''۔ ''محنت حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کی سیرت کے تابع ہو''۔ ''سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ اپنے کام کو سیرت کے تابع کرو''۔ ''میں رات یہ عرض کر رہا تھا کہ لاعلمی اور سیرت کا سامنے نہ ہونا اور اپنے معمول اور تجربات کی روشنی میں کام کرنا آدمی کو ایسی چیز کی مخالفت پر ڈال دیتا ہے کہ جو براہ راست سنت سے ثابت ہے، اس میں بہت ڈرنا چاہیے''۔ ''نفر سے ہٹ کر دعوت کا کوئی تصور نہیں، دورِ صحابہؓ میں نفر سے ہٹ کر دعوت کا کوئی تصور نہیں، آپ خود دیکھ لیں سیرت''۔ ''میں نے خوب

+91-1336-222429 / FAX: +91-1336-222768 darululoomdeoband.com info@darululoomdeoband.com

غور کرلیا صحابہؓ کی سیرت میں کہ دعوت میں اتباعِ سنت ہی اصل باطل کے مرعوب ہونے کا سبب تھا‘‘۔ ’’دعوت کے کسی بھی عمل کو یہ سوچ کر چھوڑ دینا کہ اس پر سب متفق نہیں ہے یہ براہِ راست محمد اور آپ کے صحابہ کے عمل کا انکار ہوگا‘‘۔ ’’میں کل بھی عرض کیا تھا کہ جو بات بھی عرض کی جائے اس کو خود صحابہ کی سیرت میں تلاش کرو؛ اس لیے کہ جتنا سیرت کو دیکھو گے اتنی بصیرت کام میں بڑھے گی‘‘۔
’’میں کیا بتاؤں آپ سب کو ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم دعوت کے کام کو اپنی عقل اپنی سمجھ سے لے کر چلنا چاہتے ہیں؛ حالانکہ سب کی ذمہ داری ہے کہ اس دعوت کے کام کو صحابہ کی سیرت میں دیکھو، صحابہ کی سیرت میں دیکھو‘‘۔ ’’میں نے عرض کیا کہ ایسی ناراضگی کی مثال نہیں ملتی صحابہ کی سیرت میں جیسی ناراضگی اللہ کے راستے میں نکلنے کی تاخیر پر ہوئی ہے‘‘۔

یہ ہے سارے انحرافات کی بنیاد اور جڑ، اگر غور کیا جائے تو غلط نظریات کی پشت پر بالعموم سیرت اور تاریخ کا کوئی واقعہ نظر آئے گے جس کو یا تو غلط سمجھا گیا یا سیرت کی دیگر روایات سامنے نہیں رکھی گئیں یا اصول فقہ میں دسترس نہ ہونے کی وجہ سے استنباط میں غلطی ہوئی یا منکر اور معلول روایت کو صحیح سمجھ لیا گیا، چنانچہ زیر نظر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو غلط سمجھنا اور اس سے بے بنیاد باتیں نکال کر پورے نظام تعلیم کو نشانہ بنانا اس کی تازہ مثال ہے۔

موصوف نے دین اور دعوت دین کا ایک مصنوعی اور خود ساختہ خاکہ ذہن میں تیار کرلیا ہے، اسی کو وہ سنت سمجھتے ہیں اور اسی کو سیرت قرار دیتے ہوئے تعلیم وتربیت اور دعوت کے دوسرے مشروع ومباح طریقوں کی علی الاعلان تغلیط وتردید کرتے ہیں، ان کا ماننا ہے کہ دور نبوی میں تعلیم وتربیت کا سارا نظام مسجد سے چلتا تھا، جب سے یہ نظام مسجد سے باہر منتقل ہوگیا تو عوام میں جہالت پھیل گئی، اس لیے وہ برملا کہتے ہیں کہ آج عالمی سطح پر دعوت وتعلیم سنت سے ہٹ گئی ہے، مسجد سے باہر تعلیم اور دعوت کا نظام خلاف سنت ہونے کی وجہ سے نہ مفید ہے اور نہ موثر ،انھوں نے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے دور نبوی کی غلط تصویر امت کے سامنے لاکر پیش کردی ہے، یہ اقتباسات ملاحظہ کریں:

’’حضور اکرم ﷺ نے ایک نظام قائم کیا تعلیم وتربیت کا اور اس تعلیم وتربیت کے نظام کو حضور ﷺ نے عبادت کی طرح مسجد سے جوڑا، نظام تعلیم کو مسجد سے الگ کردینا تعلیم وتربیت کے درمیان فرق کردینا ہے، نظام تعلیم کو مسجد سے الگ کردینا تعلیم وتربیت کے درمیان فرق کردینا ہے، ہمارے بات بہت توجہ چاہتی ہے آپ سب سے، کیونکہ یہ دونوں چیزیں اس طرح متلازم ہیں ایک دوسرے کے ساتھ کہ تعلیم وتربیت کے بغیر حضور اکرم ﷺ جو تعلیمی اور تربیتی نظام لائے تھے، وہ پورا نظام مسجد سے تھا، پوری طرح مربوط تھا مسجد کے ساتھ‘‘۔

’’اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہ یہ دونوں میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ سنت پر آجائیں، مجھے اس بات پر سخت دکھ ہے اور شکایت ہے کہ تعلیم اور دعوت جو نبی کی بعثت کے دو بنیادی فریضے ہیں، میں عالمی سطح پر کہہ رہا ہوں کہ یہ دونوں فریضے سنت سے ہٹ گئے ہیں، اس لیے تعلیم سنت سے ہٹی ہے تربیت نہیں ہے اور دعوت سنت سے ہٹی ہے اس لیے ایمان نہیں ہے، ایمان میں کمال اور تعلیمی کمال یہ دونوں چیزیں اس وقت عالمی سطح پر سنت سے ہٹی ہوئی ہیں‘‘۔

’’میری بات غور سے سنو! نماز مسجد کا ضمنی عمل ہے، نماز مسجد کا ضمنی عمل ہے، نماز مسجد کا ضمنی عمل ہے، مسجد میں ایمان اور علم کے حلقے چلتے رہتے تھے، اس درمیان نماز کھڑے ہوجاتی تھی، حضرت عمرؓ بیان فرمارہے تھے اور بیان کے دوران فرمایا کہ اب نماز پڑھ لو، گویا نماز علم کے حلقوں کے درمیان آجاتی تھی‘‘۔

''آپ کو ہماری بات بہت بُری لگ رہی ہے؛ لیکن آپ ترمذی شریف کی روایت ہے، اللہ نے حکم دیا یحییٰ علیہ السلام کو کہ یحییٰ بنی اسرائیل کو ایک جمع کریں بیت المقدس میں اور وہاں جمع کرکے آپ ان کو پانچ باتیں پہونچائیں، آپ اس میں غور کیجیے حدیث پر پہلی بات یہ کہ آپ جمع کریں، یوں نہیں کہا کہ جلسے کی تاریخ یا جمع ہونے کی تاریخ کسی اخبار میں لکھ دیں یا اعلان کردیں کہ فلاں تاریخ میں وہاں جمع ہونا ہے، آپ جمع کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مسجد میں جمع کریں یہ نہیں کسی میدان کسی ہوٹل میں، کسی گھر میں جمع کریں؛ بلکہ حکم یہ ہے کہ جمع کریں کہاں؟''

''نماز میں کمال دو چیزوں سے ہوگا: ایک ایمان دوسرے علم، یہ دو چیزیں اصل ہیں ہر عبادت میں کمال پیدا کرنے کے لیے، ہر عمل میں قبولیت پیدا کرنے کے لیے اور ان دونوں کے سیکھنے کی جگہ مسجد ہے علم اور ایمان ان کے سیکھنے کی جگہ مسجد ہے علم اور ایمان کے سیکھنے کی جگہ مسجد ہے، مسجد سے علم کا لینا اتنا مؤثر تھا ایک صحابی نے سنا مسجد میں کہ پردے کا حکم آگیا، انہوں نے جاکر محلّے میں اعلان کیا ساری عورتیں فوراً پردے میں آگئیں پورے محلّے میں پردہ ایک دم آگیا''۔

''میں آپ سے بتاؤں اصل بات وہ کفار جو میدانِ قتال سے بھاگتے تھے جان بچانے کے لیے انہیں بھی صحابہ باندھ کر اپنے ساتھ لے آتے تھے غلام بنانے کے لیے نہیں؛ بلکہ قرآن کے حلقوں میں بٹھانے اور مسجد میں عمل کے ماحول میں بٹھانے کے لیے؛ تاکہ ان کے کان میں قرآن کی آواز پڑے تو ان کے دل سے کفر کی ظلمت ختم ہو اور یہ اسلام قبول کرلیں، تمہیں میری بات توجہ سے سننی پڑے گی''۔

حالانکہ خیر القرون میں مسجد کے باہر بھی تعلیم اور دعوت کا نظام قائم تھا، مدینہ منورہ میں تعلیم کے لیے مسجد سے باہر باقاعدہ ایک گھر متعین کیا گیا تھا جہاں لوگ آکر قرآن کریم سیکھتے تھے، مشہور محدث علامہ عبدالحی کتانیؒ نے اپنی معروف کتاب نظام الحکومۃ النبویۃ/التراتیب الادرایۃ میں باضابطہ یہ عنوان قائم کیا ہے: اتخاذ الدار ینزل لھا القراء ویستخرج منہ اتخاذ المدارس اس کے تحت انھوں نے حافظ ابن عبدالبرؒ کی معروف کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب اور طبقات ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ غزوہ بدر کے مختصر عرصے کے بعد حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ساتھ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور دار القراء میں ٹھہرے، یہ دار القراء حضرت مخرمہ بن نوفلؓ کا گھر تھا جہاں تعلیم دی جاتی تھی، اسی واقعہ سے علماء نے مدارس کے قیام کو ثابت کیا ہے اھ نیز علامہ کتانی ابن قدامہ مقدسی کی کتاب الاستبصار کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے مدینہ منورہ میں حضرت اسعد بن زرارہؓ کے گھر قیام فرمایا، پھر یہ دونوں حضرات انصار کے مختلف گھروں میں جاتے اور قرآن کریم پڑھاتے اور ان کو اللہ کی طرف بلاتے تھے اھ۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت اور ان کا اسوہ ہی دین وشریعت میں بلا شبہ حجت اور معیار ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ جس طرح قرآن وسنت کو صحیح سمجھنے کے لیے اصول وشرائط مسلم ہیں، اسی طرح صحابہ کرام کی سیرت کے کسی جزوی واقعہ کو امت کے سامنے اسوہ بناکر پیش کرنے اور حالات حاضرہ کو صحابہ کی سیرت پر پیش کرکے امت کے لیے لائحہ عمل طے کرنے کے بھی اصول وضوابط ہیں؛ اس لیے کہ فقہائے کرام نے قرآن وسنت اور صحابہ کرام کے اقوال وافعال اور ان کی سیرت کی روشنی میں دین اسلام کے سارے شعبوں کی جزئیات وفروعات کو مرتب ومدون فرمادیا ہے، جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء ائمہ مجتہدین کی نگرانی میں علیحدہ مدون نہیں

ہوسکیں، اس لیے فقہ سے مستغنی ہوکر صرف روایتی ذخیرہ سے صحابہ کرام کے کچھ اقوال اور کچھ واقعات سے استنباط کرنے لگنا، خاص طور پر اگر یہ استنباط کم علمی کے ساتھ ہو تو بہت بڑے فتنے کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے، اسی لیے علامہ مناویؒ نے اپنی معروف کتاب فیض القدیر میں امام رازیؒ کے حوالے سے محققین کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ عوام کو صحابہ کرام کی براہ راست تقلید سے روکا جائے گا۔ (فیض القدیر ۱/ ۲۱۰، مصر، منہاج السنۃ النبویۃ: ۳/ ۱۷۱، ۱۷۵، اصول الافتاء وآدابہ، ص: ۲۵۶) اس وجہ سے نہیں کہ نعوذ باللہ وہ قابل تقلید نہیں ہیں؛ بلکہ اس وجہ سے کہ اکابر صحابہ کے قول یا عمل اور ان کی سیرت کو براہ راست سمجھنے میں غلطی کا قوی امکان ہے، یہ عین ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے صحابہ کرام کی سیرت کو صحیح نہ سمجھ سکے یا ان کے اقوال وآثار کے منشا تک اس کی رسائی نہ ہوسکے؛ کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مذہب براہ راست منقح اور منضبط شکل میں موجود نہیں ہے؛ بلکہ وہ مذاہب اربعہ میں مندرج ہے۔ (المجموع شرح المھذب للنووی: ۱/ ۹۱، فصل فی آداب المستفتی، البرہان فی اصول الفقہ للجوینی) مثال کے طور پر زیر نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے مقرر صاحب نے جو کچھ استنباط کیا اور جس طرح استنباط کیا اسے ملاحظہ کیا جائے تو فقہائے کرام کی دور بینی واضح ہوجائے گی کہ انھوں نے کس مصلحت سے براہ راست اقوال صحابہ کی تقلید سے منع کیا ہے، زیر نظر واقعہ میں موصوف نے صرف ''حیاۃ الصحابہ'' میں مذکور روایت پر اکتفا کیا ہے، یہاں تک کہ اصل کتاب سے مراجعت بھی نہیں کی، دیگر جمیع مافی الباب روایات کو جمع کرنے کا مسئلہ تو الگ رہا، پھر صحیح وسقیم، سالم و معلول کی تمیز اور روایت بالمعنی کے اثرات معلوم کرنے کے لیے تو بڑی علمی اہلیت کی ضرورت ہوتی ہے، حد یہ ہے کہ انھوں نے روایت میں اپنی طرف سے متعدد باتیں بھی بڑھادی ہیں، انھوں نے کہا کہ: ''حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عمل بتلارہا ہے کہ عمر خلافت مجھے تجارت سے نہیں روک سکتی''، موصوف نے بازار کی طرف روانہ ہونے سے ہی یہ بات حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف منسوب کردی؛ لیکن حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے صحابہ کرام کے مشورے سے متفق ہوکر پوری مدت خلافت میں تجارت سے باز رہنے کے عمل سے موصوف صدیق اکبرؓ کی طرف یہ نسبت نہ کرسکے کہ وہ تجارت کو امور خلافت میں مخل سمجھتے تھے، حالانکہ حضرت صدیق اکبرؓ نے صراحتا فرمایا تھا: لقد علم قومي أن حرفتي لم تكن تعجز عن مؤنة أهلي، وشغلت بأمر المسلمين، صرف اتنا ہی نہیں آگے جاکر حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف صراحتا ہی نسبت کرڈالی کہ: ''حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تجارت کیوں مخل ہوگی، یہ کام (خلافت) بھی کریں گے، تجارت بھی کریں گے''، یہ حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف ایک غلط نسبت ہے جس کا موصوف نے ارتکاب کیا ہے اور یہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہے؛ بلکہ اپنے ایجاد کردہ مبتدع احکام پر استدلال کرتے ہوئے احادیث وآثار اور واقعات سیرت میں موصوف اپنی طرف سے اس طرح کا تصرف واضافہ کرتے رہتے ہیں، اس کے نظائر بیانات میں موجود ہیں، تو اولا: واقعہ سے متعلق روایات کی تحقیق کے عمل سے قاصر ہونا، دوسرے: روایت میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا، تیسرے درایت اور فہم کی کمی کی وجہ سے سطحی اور غلط اجتہاد کرنا کہ متقدمین ومتاخرین سارے فقہاء کے خلاف نتیجے پر پہنچے۔ کاش! مقرر موصوف کو حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد مستحضر ہوتا کہ لو كنت أطيق الأذان مع الخليفى لأذنت (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم: ۲۳) سیدنا حضرت عمرؓ تو خلافت کے بوجھ کے ساتھ اذان کی ذمہ داری سے اپنے آپ کو قاصر سمجھتے ہیں اور موصوف حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے میں کہتے ہیں کہ نہیں پوری دنیا کے خلافت کے امور نبھانے کے ساتھ تجارت بھی ممکن ہے! فیا للعجب!

اب تک تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مقرر موصوف قرآن وحدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات پر ایک مخصوص

☎ +91-1336-222429 / FAX: +91-1336-222768 darululoomdeoband.com info@darululoomdeoband.com

ذہنیت کے ساتھ غور وفکر کرکے غلط نتائج پیدا کرنے کی کوشش کررہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات ان کے اسلوب اور انداز بیان سے منصب نبوت پر بھی آنچ آجاتی ہے، واقعات کو پیش کرتے وقت وہ اپنی فہم سے ایسی امور بڑھادیتے ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور ایسا پرخطر اسلوب اختیار کرتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ہرگز شایان شان نہیں ہوتا ہے، وہ واقعات کا اس طرح تذکرہ کرتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ وہ نبی کی غلطی پکڑ رہے ہیں اور یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ اس بارے میں نبی سے غلطی ہوگئی، ان کی پیروی نہیں کی جائے گی، تم ان کی طرح ایسا نہ کرنا، صرف ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں، موصوف کہتے ہیں:

''انبیاء کو بھی اسباب اسی لیے ملتے ہیں سنو تو سہی میں کیا کہہ رہا، انبیاء کو بھی اسباب اسی لیے ملتے ہیں ہماری تو کیا حیثیت ہے انبیاء کو بھی اسباب اللہ اسی لیے دیتے ہیں سنو غور سے انبیاء کو بھی اللہ اسباب اسی لیے دیتے ہیں کہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس وقت یہ اس سبب کی وجہ سے مجھے یاد رکھتے ہیں یا سبب کی وجہ سے میرا حکم ضائع ہوجاتا ہے سوچو تو سہی سلیمان علیہ السلام کو ایسے گھوڑے دیے اللہ نے ایسے گھوڑے نادر و نایاب جو کبھی نہ اس سے پہلے ہوئے اور نہ اس کے بعد کبھی ہوئے، ایسے گھوڑے بڑے خوبصورت ہوا میں اُڑتے تھے، سوار کو لے کر، اتنے قوی، سمندر میں تیرتے تھے اور زمین پر دوڑتے تھے بڑے خوبصورت گھوڑے سلیمان علیہ السلام ان گھوڑوں کو دیکھنے میں مشغول ہوگئے اور ایسے مشغول ہوئے کہ عصر کی نماز قضا ہوئی اور سورج ڈوب گیا، گھوڑے دیکھنے میں، اللہ نے بنایا اللہ نے کیسے بنایا، اللہ نے ایسے بنایا، بات یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ بنایا ہے وہ بنے ہوئے کا تاثر پیدا کرنے کے لیے نہیں بنایا ہے؛ بلکہ بنانے والے کا تاثر پیدا کرنے کے لیے بنایا کہ اس سے بنانے والے کا تاثر پیدا ہو، بس کفار وہ ہیں جو بنے ہوئے سے متاثر ہوتے ہیں اور مسلمان وہ ہیں جو بنانے والے سے متاثر ہوتے ہیں، بنا ہوا بنانے والے کے تعارف کے لیے ہے، اس وقت اللہ کو یاد کرتے ان کو دیکھنے میں مشغول ہوگئے اور عصر کی نماز قضا ہوگئی، دیکھا وقت ارے عصر کی نماز نہیں پڑھی اتنا وقت اتنا وقت عصر کی نماز کے قضا ہونے کا، تلوار منگائی اور سارے گھوڑے کاٹ کر ختم کردیے، کوئی باقی نہیں رکھا کہ ان کی نسل ہی ختم کردو؛ اس لیے کہ ان گھوڑوں کے دیکھنے کی وجہ سے عصر کی نماز قضا ہوگئی سوچو جنھیں اپنے عمل کے ضائع ہونے کا غم ہوتا ہے اللہ ان کے عمل کو ضائع نہیں کرتے، کہا تلوار لاؤ اور سارے گھورے کاٹ ڈالے سب ختم کردیے کہا اے اللہ! مجھے آج کی عصر پڑھنی ہے، مجھے نہیں چاہیے گھوڑے مجھے آج کی عصر چاہیے''۔

دیکھیے! موصوف نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ کو جس اسلوب میں پیش کیا ہے اور واقعہ کی تمہید ذکر کرنے کے بعد درمیان میں جو نتائج بیان کیے ہیں، وہ کتنے خطرناک ہیں، خود ہی سبب سے متاثر ہونے کو کافروں کا عمل بتاتے ہیں اور ایک اولوالعزم پیغمبر کے بارے میں سبب سے متاثر ہونے کو ثابت بھی کرتے ہیں، بات کہاں تک پہنچ گئی۔ (نعوذ باللہ) حالانکہ اللہ تعالی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ مدح کے سیاق میں بیان فرمایا ہے، قرآن کریم کی آیت یہ ہے:

وَوَهَبْنَا لِدَاوُودَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ رُدُّوهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ

مقرر صاحب کو ذرا ان جملوں پر غور کرنا چاہیے کہ:

''سلیمان علیہ السلام ان گھوڑوں کو دیکھنے میں مشغول ہوگئے اور ایسے مشغول ہوئے کہ عصر کی نماز قضا ہوئی اور سورج ڈوب گیا، گھوڑے دیکھنے میں، اللہ نے بنایا اللہ نے کیسے بنایا، اللہ نے ایسے بنایا، بات یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ بنایا ہے وہ بنے ہوئے کا تاثر پیدا کرنے کے لیے نہیں بنایا ہے؛ بلکہ بنانے والے کا تاثر پیدا کرنے کے لیے بنایا کہ اس سے بنانے والے کا تأثر پیدا ہو، بس کفار وہ ہیں جو بنے ہوئے سے متاثر ہوتے ہیں اور مسلمان وہ ہیں جو بنانے والے سے متاثر ہوتے ہیں، بنا ہوا بنانے والے کے تعارف کے لیے ہے، اس وقت اللہ کو یاد کرتے ان کو دیکھنے میں مشغول ہوگئے اور عصر کی نماز قضا ہوگئی''۔

یعنی سلیمان علیہ السلام اسباب سے متاثر ہوکر نعوذ باللہ امتحان میں ناکام ہوگئے، گھوڑوں کو دیکھ کر بجائے اس کے کہ بنانے والے کا تاثر لیتے، بنے ہوئے گھوڑوں میں مشغول ہوگئے، اس وقت اللہ کو یاد کرتے، گھوڑوں کے دیکھنے میں مشغول ہوگئے۔

اس طرح کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف منصب نبوت اور عصمت انبیاء کے مسئلے کی حساسیت ونزاکت سے بھی مطلق ناواقف ہیں، اسی لیے وہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات پر بھی مجتہدانہ حیثیت سے کلام کرتے ہیں اور جرءت وبے باکی کے ساتھ اس طرح کے جملے بولنے میں یا اس کا تاثر دلانے میں بھی تامل نہیں کرتے کہ ایک نبی کو ایسا کرنا چاہیے تھا۔

پھر مقرر صاحب کے بیانات میں یہ جملے کثرت سے ملتے ہیں کہ ''ایک غلط خیال یہ بھی ہے''۔ ''اس زمانے میں لوگوں کو غلط فہمی ہوئی''۔ ''یہ عالمی غلط فہمی ہے''۔ ''یہ سب کی اجتماعی غلطی ہے''۔ ''یہ بالکل باطل خیال ہے''۔ گویا وہ اپنے بیانات میں بے لاگ تنقید کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کم علمی کے باوجود بے جا تنقید کرتا ہے، تو اس کا منشا اپنے علم وفہم کی برتری کا احساس ہوتا ہے، لہٰذا جب وہ یہ کہتے ہیں کہ دعوت وتعلیم عالمی سطح پر سنت سے ہٹ گئی ہے، تو در پردہ اس کا دعوی کررہے ہیں کہ دعوت وتعلیم کے نبوی طریقہ کو وہ وقت کے اہل حق علماء سے زیادہ سمجھتے ہیں، ملت اسلامیہ میں جتنے لوگ کج روی وکج نظری کا شکار ہوئے، اگر غور وتامل سے دیکھا جائے تو ان کی گمراہی کا یہی ایک سبب تھا کہ انھوں نے اجتہادی صلاحیتوں سے محرومی کے باوصف ائمہ اجتہاد، سلف صالحین اور معاصر اہل حق علماء پر اعتماد کرنے کے بجائے خود رائی وخود روی اختیار کرکے اپنا راستہ الگ بنالیا، پس دارالعلوم دیوبند نے ۳۱ جنوری ۲۰۱۸ء کی تحریر میں جس امر پر متنبہ کیا تھا، وہ بالکل مبنی برحقیقت تھا کہ مقرر موصوف کم علمی اور طبیعت کی آزادی کی وجہ سے قرآن وحدیث اور سیرت صحابہ میں مجتہدانہ انداز سے غور وفکر کرکے دور از کار اجتہادات کرنے کی روش پر چل رہے ہیں، جس کی وجہ سے شاذ اور منکر اقوال وآراء اور غلط وگمراہ کن افکار ونظریات یکے بعد دیگرے مسلسل سامنے آرہے ہیں، جو شخص دین کے سلسلے میں بے راہ روی کا شکار ہو، عوام کو حکمت اور حسن تدبیر کے ساتھ اس کے غلط افکار میں ملوث ہونے سے بچانا علمائے دین کا ایک اہم فریضہ ہے، حافظ سیوطیؒ نے ''تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص'' میں اور حافظ ابن الجوزیؒ نے اپنی معروف کتاب ''کتاب القصاص والمذکرین'' میں ایسے واعظین پر سخت نکیر فرمائی ہے جو اپنی تقریروں میں منکرات اور غرائب قسم کی باتیں بیان کرکے عوام کو اپنی جانب مائل کرتے ہیں اور عوام کے ذہنوں میں اسلام کی غلط تصویر بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، حافظ ابن قتیبہؒ نے لکھا ہے کہ عوام اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ایسے مقرر کو زیادہ پسند کرتے ہیں جس کی تقریر میں عام معمول سے ہٹ کر عجیب وغریب اور نئی نئی قسم کی باتیں ملتی ہوں، حالانکہ ایسے واعظین کے بارے میں صحابہ کرام اور تابعین کا سخت ردعمل ملتا ہے۔

اب آپ کے سوالات کے جوابات مختصراً بھی پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) مقرر صاحب کے ارسال کردہ بیانات از روئے شرع درست نہیں ہیں، اِن بیانات کی بیشتر باتیں نصوص شرعیہ سے خود ساختہ استنباط اور قرآن وحدیث اور سیرت صحابہ کی غلط یا مرجوح تشریحات پر مبنی ہیں، ان جیسے بیانات کو آگے پھیلانا اور کسی بھی ذریعہ سے اس کی نشر واشاعت کرنا جائز نہیں ہے، مقرر صاحب پر ضروری ہے کہ اس طرح کے بیانات سے کلی اجتناب کریں، بیانات میں سلف صالحین اور ہمارے اکابر کی تشریحات کا اتباع کریں اور ان سے سرمو انحراف کر کے انتشار وخلفشار کا باعث نہ بنیں، یہی سلامتی کا راستہ ہے اور اسی میں ہم سب کے لیے خیر ہے۔

(۲) جو حضرات دانستہ طور پر ان جیسے بیانات کی تاویلات کر رہے ہیں اور مقرر صاحب کا دفاع کر کے سیدھے سادھے عوام کو غلط رخ پر ڈال رہے ہیں، ان کا طرز عمل افسوس ناک ہے، وہ عند اللہ جواب دہ ہوں گے۔

(۳) دار العلوم دیوبند تبلیغی جماعت کا من حیث الجماعت کبھی مخالف نہیں رہا، یہ ہمارے اکابر کی بنائی ہوئی ایک اہم دینی جماعت ہے اور دین کی نشر واشاعت کا ایک مفید ذریعہ ہے۔

دار العلوم دیوبند اس سے پہلے بھی تفصیلی موقف اہل علم کی خدمت میں شائع کر کے اپنا دینی وشرعی فریضہ انجام دے چکا ہے اور اب بھی اپنے موقف پر قائم ہے اور اب یہ مزید مفصل ومدلل موقف اہل علم کی خدمت میں پیش کر رہا ہے، عوام کو چاہیے کہ وہ قابل اعتماد مقامی علمائے کرام جن سے مسائل شرعیہ میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اس معاملے میں بھی ان سے رجوع کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر قائم رکھے اور امت مسلمہ کی ہر طرح کے شرور وفتن سے حفاظت فرمائے، آمین۔

عربی حوالجات:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے متعلق تخریجات اور محدثین وفقہاء کی تصریحات

في:حياة الصحابة: (٢/٥١٦، ت بشار)قصة رد أبي بكر الصديق رضي الله عنه وظيفته من بيت المال ، أخرج البيهقي عن الحسن أن أبا بكر الصديق رضي الله عنه خطب الناس فحمد الله وأثنى عليه ثم قال: إن أكيس الكيس التقوى – فذكر الحديث، وفيه: فلما أصبح غدا إلى السوق فقال له عمر رضي الله عنه: أين تريد؟ قال: السوق، قال: قد جاءك ما يشغلك عن السوق، قال: سبحان الله، يشغلني عن عيالي قال: نفرض بالمعروف؛ قال: ويح عمر إني أخاف أن لا يسعني أن آكل من هذا المال شيئا. قال: فأنفق في سنتين وبعض أخرى ثمانية آلاف درهم، فلما حضره الموت قال: قد كنت قلت لعمر: إني أخاف أن لا يسعني أن آكل من هذا المال شيئا، فغلبني؛ فإذا أنا مت فخذوا من مالي ثمانية آلاف درهم وردوها في بيت المال قال: فلما أتي بها عمر قال: رحم الله أبا بكر، لقد أتعب من بعده تعبا شديدا.

تخريج الروايات المتعلقة بهذه القصة:

أخرج البخاري في صحيحه (٢٠٧٠) قال:حدثنا إسماعيل بن عبد الله قال: حدثني ابن وهب، عن يونس، عن ابن شهاب قال: حدثني عروة بن الزبير أن عائشة رضي الله عنها قالت: لما استخلف أبو بكر الصديق قال: لقد علم قومي أن حرفتي لم تكن تعجز عن مؤنة أهلي، وشغلت بأمر المسلمين، فسيأكل آل أبي بكر من هذا المال، ويحترف

للمسلمين فيه.و أخرج ابن سعد في الطبقات الكبرى:١٩٢/٣، دار صادر، وأخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه(٢٢٦١٩)عن وكيع، وأبو عوانة في مستخرجه(١٠٤٩٧) والبيهقي في السنن الكبرى (٣٥٣/٦) من طريق ابن نمير، به و أخرج ابن سعد: (١٩٢/٣) من طرق مختلفة، قال ابن حجر في فتح الباري: (٣٠٤/٤) روى ابن سعد وابن المنذر بإسناد صحيح عن مسروق عن عائشة.وأخرجه أبو عبيد في الأموال:(٦٦٠)وابن زنجوية في الأموال: (٩٨٤)من طريق أبي النضر (وهو هاشم بن القاسم)، عن سليمان بن المغيرة، به.رجاله ثقات.وأخرجه الإمام أحمد في الزهد(ص:٩١)من طريق عبد الله بن عمر، عن عبد الرحمن بن القاسم، به.قال البوصيري في إتحاف الخيرة: (١٤٨/٧)رواه مسدد بسند فيه سمية ولم أر من ذكرها بعدالة ولا جرح وباقي رواة الإسناد ثقات.سمية البصرية، تروي عن عائشة، روى عنها ثابت البناني فقط، من الطبقة الوسطى من التابعين، قال ابن حجر في التقريب:مقبولة.و أخرج الطبراني في المعجم الكبير:(٦٠/١)رجاله ثقات، وفيه انقطاع؛ فإن عبد الله بن حسن لم يسمع من جده حسن بن علي رضي الله عنه، لأن عبد الله بن حسن ولد سنة ٧٠هـ وجده حسن بن علي رضي الله عنه توفي سنة ٤٩هـ وقيل سنة ٥٠هـ و أخرج ابن عساكر في تاريخه: (٢٧٥/٦١)

تخريج الرواية المذكورة في حياة الصحابة:

أخرج البيهقي في السنن الكبرى:(٣٥٣/٦)قال: أخبرنا أبو عبد الله الحافظ (وهو الحاكم) أخبرنا محمد بن طاهر بن يحيى حدثنى أبى خبرنا محمد بن أبى خالد الفراء حدثنا أبى حدثنا المبارك بن فضالة عن الحسن : أن أبا بكر رضى الله عنه خطب الناس فحمد الله وأثنى عليه ثم قال : إن أكيس الكيس التقوى وأحمق الحمق الفجور ألا وإن الصدق عندى الأمانة والكذب الخيانة ألا وإن القوى عندى ضعيف حتى آخذ منه الحق والضعيف عندى قوى حتى آخذ له الحق ألا وإنى قد وليت عليكم ولست بأخيركم. قال الحسن : هو والله خيرهم غير مدافع ولكن المؤمن يهضم نفسه. ثم قال : لوددت أنه كفانى هذا الأمر أحدكم. قال الحسن : صدق والله. وإن أنتم أردتمونى على ما كان الله يقيم نبيه من الوحى ما ذلك عندى إنما أنا بشر فراعونى فلما أصبح غدا إلى السوق فقال له عمر رضى الله عنه : أين تريد؟ قال السوق قال : قد جاءك ما يشغلك عن السوق. قال : سبحان الله يشغلنى عن عيالى قال : تفرض بالمعروف قال : ويح عمر إنى أخاف أن لا يسعنى أن آكل من هذا المال شيئا قال فأنفق فى سنتين وبعض أخرى ثمانية آلاف درهم( ) فلما حضره الموت قال قد كنت قلت لعمر إنى أخاف أن لا يسعنى أن آكل من هذا المال شيئا فغلبنى فإذا أنا مت فخذوا من مالى ثمانية آلاف درهم وردوها فى بيت المال قال فلما أتى بها عمر رضى الله عنه قال : رحم الله أبا بكر لقد أتعب من بعده تعبا شديدا.

محمد بن طاهر بن يحيى، روى عنه الحاكم في مستدركه وصحح حديثه وترجمه في تاريخه، ولم يذكر فيه جرحا ولا تعديلا.وأبوه طاهر بن يحيى بن قبيصة، قال السمعاني في الأنساب:(٣٨٧/٤)كان من كبار المحدثين لأصحاب الرأي.محمد

بن أبي خالد الفراء، لم نجد فيه مزيدا على ما قال السمعاني في الأنساب: (١٠/١٥٣)

أبو أحمد محمد بن أبى خالد يزيد بن صالح الفراء، هو ابن أبى صالح، نيسابوري، سمع أباه ويحيى بن يحيى، روى عنه طاهر بن يحيى ومكي بن عبدان وغيرهما، مات في شعبان سنة ست.أبو خالد الفراء هو يزيد بن صالح اليشكري، صدوق، قاله الذهبي في سير أعلام النبلاء: (٤/٤٧٩)هذا من مراسيل الحسن، مع ما في الإسناد إليه غير واحد لم يوقف على حاله.

خلاصة ما في الروايات المتعلقة بقصة رد أبي بكر الصديق رضي الله عنه وظيفته من بيت المال مقارنا برواية البيهقي:

ذكر في رواية البيهقي أمور، منها: قصة ذهابه إلى السوق بعد تولي الخلافة، ومنع عمر له، ثم فرض الوظيفة له من بيت المال، وهذه القصة جاءت في رواية الواقدي ومرسل عطاء بن السائب وحميد بن هلال، وهما من طبقة التابعين، واستدل ابن حجر بمرسل عطاء بن السائب في فتح الباري على أن المفروض لأبي بكر من بيت المال كان باتفاق من الصحابة.ومنها: وصية أبي بكر الصديق رضي الله عنه في مرضه الذي مات فيه برد ما أنفق من بيت المال في عهد خلافته، ومقداره في رواية البيهقي (فيه غير واحد ممن لا يعرف مع إرسال الحسن): ثمانية آلاف درهم، وفي مرسل ابن سيرين (رجاله ثقات): ستة آلاف درهم.وقد جاء في روايات أخرى: أنه أوصى برد ما بقي عنده من بيت المال، وهو في رواية مسروق عن عائشة (رجاله ثقات): عبد وبعير ناضح،وفي رواية القاسم عن عائشة (رجاله ثقات): اللقحة والغلام،وفي رواية سمية عن عائشة (إسناده لا بأس به): اللقحة والقدح،وفي رواية البكائي عن عائشة (فيه ضعف وانقطاع): خادم وبعير ناضح،وفي رواية أنس (رجاله ثقات): خادم ولقحة ومحلب،وفي رواية الحسن بن علي (فيه انقطاع): لقحة وجفنة وقطيفة،وفي رواية أبي بكر بن حفص بن عمر (مرسل رجاله ثقات): عبد وبعير ناضح وجرد قطيفة،وفي رواية محمد بن الأشعث (فيه من لا يعرف): جارية ولقحتان وحالبهما،وفي رواية الواقدي: لقحة وعبد وقطيفة.وأما رواية عروة عن عائشة التي في صحيح البخاري فهي مختصرة، وليس فيها تعرض للوصية برد المال.

السنن الکبری للبیہقی، رقم: ۲۰۲۸۸

باب ما يكره للقاضي من الشراء والبيع والنظر في النفقة على أهله وفي ضيعته لئلا يشغل فهمه، عن الزهري، قال: حدثني عروة بن الزبير , أن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: " لما استخلف أبو بكر رضي الله عنه قال: " قد علم قومي أن حرفتي لم تكن لتعجز عن مؤنة أهلي , وقد شغلت بأمر المسلمين , فسيأكل آل أبي بكر من هذا المال " واحترف للمسلمين فيه وعن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم , قالت: " لما استخلف عمر بن الخطاب رضي الله عنه أكل هو وأهله من المال , واحترف في مال نفسه ". أخرجه البخاري في الصحيح , من حديث يونس عن الزهري كما مضى في كتاب القسم وروينا عن الحسن أن أبا بكر رضي الله عنه خطب الناس حين استخلف , فذكر الحديث , قال: " فلما أصبح غدا إلى السوق , فقال له عمر رضي الله عنه: " أين تريد؟ " , قال: " السوق "، قال: " وقد جاءك ما يشغلك عن السوق؟ " , قال: " سبحان الله يشغلني عن عيالي؟ قال: " تفرض بالمعروف ". ثم ذكر الحديث , وذكر فيه وصيته برد ما أخذ منه في بيت المال "

باسمہ تعالیٰ

الجامعۃ الاسلامیہ دار العلوم دیوبند الہند

Darul Uloom Deoband
PIN 247554, U.P. INDIA

دار الافتاء
Darul Ifta

دار الافتاء دار العلوم دیوبند

Ref: .... Date: ....

بخاری، رقم:۲۷۷۶

عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: »لا يقتسم ورثتي دينارا ولا درهما ما تركت بعد نفقة نسائي، ومئونة عاملي فهو صدقة.

شرح صحیح البخاری لابن بطال:۵/۲۵۹، مکتبۃ الرشد، ریاض

قال ابن بطال: قال الطبرى: وفيه من الفقه أن من كان مشتغلا من الأعمال بما فيه لله بر وللعبد عليه من الله أجر أنه يجوز أخذ الرزق على اشتغاله به إذا كان فى قيامه سقوط مئونة عن جماعة من المسلمين أو عن كافتهم، والمؤذنين أخذ الأرزاق على تأذينهم، والمعلمين على تعليمهم. وذلك أن النبى (صلى الله عليه وسلم) جعل لولى الأمر بعده فيما كان أفاء الله عليه مؤنته، وإنما جعل ذلك لاشتغاله، فبان أن كل قيم بأمر من أمور المسلمين مما يعمهم نفعه سبيله سبيل عامل النبي.

مرقاۃ المفاتیح، رقم:۵۹۷۵، و۵۹۷۴

قال الملاعلى القارى: (ومؤنة عاملي) أراد بالعامل الخليفة بعده، وكان النبي - صلى الله عليه وسلم - يأخذ نفقة أهله من الصفايا التي كانت له من أموال بني النضير وفدك، ويصرف الباقي في مصالح المسلمين، ثم وليها أبو بكر ثم عمر كذلك وقال بعض المحققين: اختلف في المراد بقوله: (مؤنة عاملي) فقيل: الخليفة بعده، وهذا هو المعتمد.
وقال نقلا عن العلامة الكرماني في شرح البخاري: هي نصف أرض فدك، وثلث أرض وادي القرى، وسهمه من خمس خيبر، وحصة من أرض بني النضير.

وانظر ایضا: لامع الدراری:۷/۱۹۹، مکتبہ امدادیہ، مکۃ المکرمۃ۔

شرح الطریقۃ المحمدیۃ للنابلسی:۲/۴۹۰

وأما مصارف بيت المال فهم المقاتلة من العساكر وأمراؤُم والولاة والقضاة والمحتسبون والمفتيون والمعلمون والمتعلمون وقراَ القرآن والمؤذنون وكل من قلد شيئا من مصالح أمور المسلمين وقال شيخ الإسلام خواهرزاده فى شرح القدوري : وأهل العطاء في زماننا القاضي والمدرس والمفتي .

قال النابلسي :ذكر قاضي خان في فتاواه من باب الحظروالإباحة أنه سئل علي الرازي عن بيت المال هل للأغنياء فيه نصيب، قال : لا إلا أن يكون عاملا أو قاضيا أو فقيها فرغ نفسه لتعليم النسا الفقه أو القرآن ، وقال العلامة زين الدين ابن نجيم: وليس مراد الرازي الاقتصار على العامل والقاضي ؛بل أشار بهما إلى كل من فرغ نفسه للمسلمين ، فيدخل الجندي والمفتي .

بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ:۴/۲۴۰، ۲۵۰، مطبعۃ الحلبی ۱۳۴۸ھ

(الفصل الثاني في التورع) التكلف في تحصيل الورع (والتوقي) التحفظ (من طعام أهل الوظائف من الأوقاف أو) من (بيت المال مع اختلاط) هذا المتورع مع (الجهلة والعوام وأكل طعامهم) مع أن الأولى له أن يجتنب عن هؤلاء (وهذا) التورع (ناشئ

+91-1336-222429 / FAX: +91-1336-222768 darululoomdeoband.com info@darululoomdeoband.com

من الجهل) بحقيقة الحال (أو) من (الرياء) فيتجنب ليرى الناس أنه ورع (فكما أن الكسب بالبيع والشراء والإجارة ونحوها) كالزرع وأنواع الحرف (إذا روعي فيها شرائط الشرع حلال) بل (طيب كذلك الوقف إذا صح وروعي) فيه(شرائط الوقف) وللمانع أن يقول: يجوز أن يكون تورع المتورع للاشتباه في صحة أصل الوقف، وفي تحقق شرائطه ووقوعه في مصرفه وقدره سيما في زماننا (فلا شبهة فيه) أي في حاله (أصلا) وللمانع أيضا أن يقول: إن شرط الواقف لو كان لنفس ذلك الموقوف عليه فكيف يسوغ أن يبيح أو يهب إلى غيره بل أوقاف بيت المال مختصة بقدر الكفاية؛ ولذا كانت الزيادة على الكفاية في شبهة (إذ الصحابة – رضوان الله عليهم أجمعين – وقفوا)قيل عن البخاري أول من وقف عمر – رضي الله تعالى عنه – وكان في عهده – صلى الله تعالى عليه وسلم – لسهمه من خيبر (وأكلوا منه) ولم ينقل الإنكار منهم فيحل محل الإجماع (وكذا بيت المال يحل لمن كان مصرفا له إذا أخذ منه بقدر الكفاية) لنفسه وخادمه وأهله وأولاده والكتب اللازمة له إن كان عالما، وفي المنح: لكل قارئ في كل سنة مائتا دينار أو ألفا درهم إن أخذها في الدنيا، وإلا أخذها في الآخرة كذا قيل في مآل الفتاوى أيضا (وقد أخذ الخلفاء الأربعة – رضي الله تعالى عنهم – سوى عثمان – رضي الله تعالى عنه – منه) أي من بيت المال، وعدم أخذ عثمان لغناه وعدم احتياجه؛ إذ روي أنه كان لعثمان – رضي الله تعالى عنه – عند خادمه يوم قتله مائة ألف ألف وخمسون ألف ألف دينار وألف ألف درهم وخلف إجباء قيمتها مائتا ألف دينار وبلغ ثمن مال الزبير خمسين ألف دينار وترك ألف فرس وألف مملوك وخلف عمرو بن العاص ثلاثمائة ألف دينار، وغنى عبد الرحمن بن عوف أشهر من أن يذكر فكانت الدنيا في أكفهم لا في قلوبهمكما نقل عن التنوير لكنهم مع مثل هذه الأموال العظام ليسوا من أهل الدنيا لعدم حبهم إياها وعدم شغل قلوبهم في وجوهها بل معظم قصدهم بذل تلك الأموال إلى المحاويج ووجوه البر وطرق الحسنات كما روي أنه لم يبق في غزاة تبوك أحد لم يصل إليه مال عثمان – رضي الله تعالى عنهم – وقد روي من ثلاثين ألفا إلى ثمانين ألفا (فلا فرق بين الوقف وبيت المال وبين غيرهما من المكاسب في) أصل (الحل والطيب إذا روعي شرائط الشرع ولا في الحرمة والخبث إذا لم تراع) شرائطه (بل الأولان) الوقف وبيت المال (أشبه وأمثل في زماننا)

عمدۃ القاری للعینی: ۱۱/۱۸۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت

كل من يتولى عملا من أعمال المسلمين يعطي له شيء من بيت المال لأنه يحتاج إلى كفايته وكفاية عياله، لأنه إن لم يعط له شيء لا يرضى أن يعمل شيئا فتضيع أحوال المسلمين. وعن ذلك قال أصحابنا: ولا بأس برزق القاضي، وكان شريح، رضي الله تعالى عنه، يأخذ على القضاء

کتاب الخراج لابی یوسفؒ: ۱/۲۰۵، المکتبۃ الازہریۃ للتراث

فصل في أرزاق القضاة والعمال وسألت من أي وجه تجري على القضاة والعمال الأرزاق؟ فاجعل –أعز الله أمير المؤمنين بطاعته– ما يجري على القضاة والولاة من بيت مال المسلمين: من جباية الأرض أو من خراج الأرض والجزية؛ لأنهم في عمل المسلمين فيجري عليهم من بيت مالهم ويجري على كل والي مدينة وقاضيها بقدر ما

يحتمل.وكل رجل تصيره في عمل المسلمين فأجر عليه من بيت مالهم، ولا تجر على الولاة والقضاة من مال الصدقة شيئا إلا والي الصدقة؛ فإنه يجري عليها منها كما قال الله تبارك وتعالى {والعاملين عليها} ولم تزل الخلفاء تجري للقضاة الأرزاق من بيت مال المسلمين

نصب الراية: ۴/ ۱۳۷، مؤسسة الريان للطباعة والنشر، بيروت

وقد روي عن عمر بن الخطاب أنه كان يرزق المعلمين، ثم أسند عن إبراهيم بن سعد عن أبيه أن عمر بن الخطاب كتب إلى بعض عماله: أن أعط الناس على تعليم القرآن.

تبيين الحقائق: ٦/ ٣٣، المطبعة الكبرى الاميرية، بولاق، القاهرة

قال – رحمه الله –: (ورزق القاضي) أي حل رزق القاضي من بيت المال؛ لأن بيت المال أعد لمصالح المسلمين والقاضي محبوس لمصالحهم والحبس من أسباب النفقة فكان رزقه فيه كرزق المقاتلة والزوجة يعطى منه ما يكفيه، وأهله، على هذا كانت الصحابة والتابعون «وبعث رسول الله – صلى الله عليه وسلم – عتاب بن أسيد إلى مكة، وفرض له وبعث عليا، ومعاذا إلى اليمن، وفرض لهما» ، وكان أبو بكر والخلفاء من بعده يأخذون كفايتهم فكان إجماعا.

بناية: ۱۲/ ۲۷۲، دار الكتب العلمية - بيروت، لبنان

وفي " مصنف " عبد الرزاق: أخبرنا الحسن بن عمارة، عن الحكم: أن عمر بن الخطاب – رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ – رزق شريحا، وسلمان بن ربيعة الباهلي على القضاء، وروى ابن سعد في " الطبقات " في ترجمة شريح: أخبرنا الفضل بن دكين، حدثنا الحسن بن صالح عن ابن أبي ليلى قال: بلغني أن عليا – رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ – رزق شريحا خمسمائة. وروى في ترجمة زيد بن ثابت – رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ –، أخبرنا عفان بن مسلم، حدثنا عبد الواحد بن زياد، عن الحجاج بن أرطاة، عن نافع قال: استعمل عمر بن الخطاب – رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ – زيد بن ثابت على القضاء وفرض له رزقا.وقال أيضا: أخبرنا محمد بن عمر الواقدي، أخبرنا عبد الله بن عمر عن نافع عن عبد الله بن عمر – رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا – قال: بويع أبو بكر الصديق – رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ – يوم قبض رسول الله – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – يوم الاثنين لاثنتي عشرة ليلة خلت من ربيع الأول سنة إحدى عشرة من الهجرة، وكان رجلا تاجرا يغدو كل يوم إلى السوق فيبيع ويبتاع فلما بويع للخلافة قال: والله ما يصلح للناس إلا التفرغ لهم والنظر في شأنهم ولا بد لعيالي ما يصلحهم فترك التجارة وفرض من مال المسلمين ما يصلحه ويصلح عياله يوما بيوم، وكان الذي فرضه له في كل سنة ستة آلاف درهم، فلما حضرته الوفاة قال لهم: ردوا ما عندنا إلى مال المسلمين، وإن أرضي التي هي بمكان كذا وكذا للمسلمين بما أصبت من أموالهم، فدفع ذلك إلى عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فقال: لقد والله أتعبت من بعدك.

الخانية على هامش الهندية: ۲/ ۳۲۵، كتاب الاجارة

قال الشيخ الإمام ابو بكر محمد بن فضل رحمه الله تعالى: إنما كره المتقدمون الاستئجار لتعليم القرآن وكرهو أخذ الأجر على ذلك، لانه

كان للمعلمين عطيات فى بيت المال فى ذلك الزمان، وكان لهم زياده رغبة فى أمر الدين واقامة الحسبة، وفى زماننا انقطعت عطياتهم، وانقضت رغائب الناس فى أمر الأخرة، فلو اشتغلوا بالتعليم مع الحاجة إلى مصالح المعاش لاختل معاشهم، فقلنا بصحة الاجارة ووجوب الاجرة للمعلم بحيث لو امتنع الوالد عن اعطاء الاجر حبس فيه.

احکام القرآن للجصاص: ۲ / ۳۶۳، دار إحیاء التراث العربی- بیروت

إن الرزق ليس بأجرة لشيء وإنما هو شيء جعله الله له ولكل من قام بشيء من أمور المسلمين ألا ترى أن الفقهاء لهم أخذ الأرزاق.

بخاری، رقم: ۷۱۶۳، باب رزق الحکام والعاملین علیہا

حدثنا أبو اليمان، أخبرنا شعيب عن الزهري، أخبرني السائب بن يزيد، ابن أخت نمر، أن حويطب بن عبد العزى، أخبره أن عبد الله بن السعدي، أخبره أنه قدم على عمر في خلافته، فقال له عمر: ألم أحدث أنك تلي من أعمال الناس أعمالا، فإذا أعطيت العمالة كرهتها، فقلت: بلى، فقال عمر: فما تريد إلى ذلك، قلت: إن لي أفراسا وأعبدا وأنا بخير، وأريد أن تكون عمالتي صدقة على المسلمين، قال عمر: لا تفعل، فإني كنت أردت الذي أردت، فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطيني العطاء، فأقول: أعطه أفقر إليه مني، حتى أعطاني مرة مالا، فقلت: أعطه أفقر إليه مني، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: «خذه، فتموله، وتصدق به، فما جاءك من هذا المال وأنت غير مشرف ولا سائل فخذه، وإلا فلا تتبعه نفسك

فتح الباری: ۱۳ / ۱۵۴، دار المعرفۃ، بیروت

قال الطبري في حديث عمر الدليل الواضح على أن لمن شغل بشيء من أعمال المسلمين أخذ الرزق على عمله ذلك كالولاة والقضاة وجباة الفيء وعمال الصدقة وشبههم لإعطاء رسول الله صلى الله عليه وسلم عمر العمالة على عمله.

تاریخ دمشق: ۲۴ / ۳۵، دار الفکر، بیروت

قال ثلاثة معلمين كانوا بالمدينة يعلمون الصبيان وكان عمر بن الخطاب يرزق كل واحد منهم خمسة عشر درهما كل شهر.

کتاب الاموال: ۱ / ۳۳۳، دار الفکر، بیروت

حدثنا إبراهيم بن سعد، عن أبيه سعد بن إبراهيم: أن عمر بن الخطاب كتب إلى بعض عماله: أن أعط الناس على تعلم القرآن.

التراتیب الاداریۃ للکتانی: ۱ / ۲۲۷، دار ارقم، بیروت

قال الكتاني: هل كان للولاة والقضاة راتب، في الهداية روي عنه عليه السلام أنه بعث عتّاب بن أسيد إلى مكة وفرض له. قال الحافظ الزيلعي في نصب الراية: غريب. ثم ذكر عن ابن سعد في الطبقات أن عتّاب قال: ما أصبت منذ وليت عملي هذا إلا ثوبين كسوتهما مولاي كيسان اهـ ثم قال: وذكر أصحابنا أنه عليه السلام فرض له كل سنة أربعين أوقية، والأوقية أربعون درهما، وذكر أبو الربيع بن سالم أنه عليه السلام فرض له كل يوم درهما، وفي طبقات ابن سعد أن عمر رزق عياض بن غنم حين ولاه جند حمص كل يوم دينارا وشاة

باسمہ تعالیٰ

الجامعة الإسلامية دار العلوم ديوبند الهند

Darul Uloom Deoband
PIN 247554, U.P. INDIA

دار الإفتاء
Darul Ifta

دار الافتاء دار العلوم دیوبند

Ref: .... Date: ....

ومدّا.وفي البخاري في باب رزق الحكام والعاملين عليها: وكان شريح يأخذ على القضاء أجرا، وقالت عائشة: يأكل الوصي بقدر عمالته وأكل أبو بكر وعمر اهـ. وفي مصنف عبد الرزاق؛ الحسن بن عمارة عن الحكم أن عمر بن الخطاب رزق شريحا، وسليمان بن ربيعة الباهلي على القضاء اهـ. وروى ابن سعد في الطبقات بلغني أن عليا رزق شريحا خمسمائة، وأن عمر بن الخطاب استعمل زيد بن ثابت على القضاء، وفرض له رزقا ولما تخلف أبو بكر أصبح غاديا إلى السوق، فلقيه وأبو عبيدة فقالا: انطلق حتى نفرض لك شيئا. وأن أبا بكر لما استخلف جعلوا له ألفين فقال: زيدونا فزادوه خمسمائة.أقول: كان الحافظ الزيلعي، والحافظ ابن حجر، لم يستحضرا في هذا الموطن حديث أبي داود والحاكم عن بريدة رفعه: أيما عامل استعملناه وفرضنا له رزقا فما أصاب بعد رزقه فهو غلول . عزاه لهما الحافظ في تلخيص الحبير. وقد وجدت أبا داود بوّب عليه في أبواب الخراج والإمارة: باب في أرزاق العمال، ثم أخرجه بلفظ: من استعملناه على عمل فرزقناه رزقا فما أخذ بعد ذلك فهو غلول. ثم أخرج عن المسور بن شداد رفعه: من كان لنا عاملا فليكتسب زوجة فإن لم يكن له خادم فليكتسب خادما، فإن لم يكن مسكن فليكتسب مسكنا، قال: قال أبو بكر: أخبرت أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من اتخذ غير ذلك فهو غالّ أو سارق.وفي عون الودود على الحديث الأول: سكت عنه أبو داود: والمنذري. ورجاله ثقات، وفيه بينة على جواز أخذ العامل حقه من تحت يده، فيقبض من نفسه لنفسه، ثم نقل عن الطيبي على الحديث الثاني: فيه أنه يحل له أن يأخذ مما في تصرفه من بيت المال قدر مهر زوجته ونفقتها وكسوتها، وكذا ما لا بد له منه من غير إسراف وتنعم اهـ.ثم أخرج أبو داود عن ابن الساعدي قال: استعملني عمر على الصدقة، فلما فرغت أمر لي بعمالة (ما يأخذه العامل من الأجرة) فقلت: إنما عملت لله. فقال: خذ ما أعطيت؛ فإني عملت على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فعمّلني أي أعطاني عمالتي . قال الكنكوهي في التعليق المحمود على سنن أبي داود: عليه فيه جواز أخذ العوض من بيت المال على العمل العام، كالتدريس والقضاء وغيرهما، بل يجب على الإمام كفاية هؤلاء ومن في معناهم من بيت المال. وظاهر هذا الحديث وغيره مما يبين وجوب قبول ما أعطيه الإنسان من غير سؤال، ولا إشراف نفس، وبه قال أحمد وغيره، وحمل الجمهور على الاستحباب والإباحة اهـ انظر الباب ٤٩ من سراج الملوك والموفي خمسين.

التراتيب الادارية للكتاني: ۲/۱۱۱، دار ارقم، بیروت

الفصل الأول في أن لكلّ من شغل بشيء من أعمال المسلمين أخذ الرزق على شغله ذلك ،روى البخاري (٩: ٨٤_٨٥) رحمه الله تعالى عن عبد الله بن السعدي أنه قدم على عمر في خلافته فقال له عمر: ألم أحدّث أنك تلي من أعمال الناس أعمالا، فإذا أعطيت العمالة كرهتها؟ فقلت: بلى. فقال عمر: فما تريد إلى ذلك؟ فقلت: إن لي أفراسا وأعبدا وأنا بخير وأريد أن تكون عمالتي صدقة على المسلمين، قال عمر: لا تفعل فإني كنت أردت الذي أردت فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطيني العطاء فأقول: أعطه أفقر إليه منّي، حتى أعطاني مرّة ثانية فقلت: أعطه أفقر إليه مني، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: خذه فتموّله وتصدق به. فما جاءك من هذا المال وأنت غير مشرف ولا سائل فخذه وإلا فلا تتبعه نفسك. انتهى. قال ابن بطال، قال الطبري: في هذا الحديث الدليل الواضح على أن لمن شغل بشيء من أعمال المسلمين أخذ الرزق على عمله ذلك، وذلك كالولاة والقضاة وجباة الفيء وعمال

+91-1336-222429/ FAX: +91-1336-222768 darululoomdeoband.com info@darululoomdeoband.com

الصدقة وشبههم، لإعطاء رسول الله صلى الله عليه وسلم عمر العمالة على عمله الذي استعمله عليه. فكذلك سبيل كلّ مشغول بشيء من أعمالهم له من الرزق على قدر استحقاقه عليه سبيل عمر رضي الله تعالى عنه في ذلك. انتهى.

الفصل الرابع في أرزاق الخلفاء بعده صلى الله عليه وسلم ورضي عنهم

١- أبو بكر الصديق رضي الله تعالى عنه: اختلف في ذلك: فذكر أبو الفرج ابن الجوزي في «صفوة الصفوة» :(٩٧/١) عن عطاء بن السائب قال: لما استخلف أبو بكر أصبح غاديا إلى السوق، وعلى رقبته أثواب يتّجر بها، فلقيه عمر وأبو عبيدة بن الجراح رضي الله تعالى عنهم فقالا: أنّي تريد يا خليفة رسول الله؟ قال: السوق، قالا: أتصنع ماذا وقد وليت أمر المسلمين؟ قال: فمن أين أطعم عيالي؟ قالا: انطلق حتى نفرض لك شيئا، فانطلق معهما، ففرضا له كلّ يوم شطر شاة وماكسوه في الرأس والبطن. وذكر عن حميد بن هلال قال: لما ولي أبو بكر قال أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم: افرضوا لخليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم ما يغنيه، قالوا: نعم، بردان إذا أخلقهما وضعهما وأخذ مثلهما، وظهره إذا سافر، ونفقته على أهله كما كان ينفق قبل أن يستخلف، قال أبو بكر: رضيت. وذكر ابن هشام في «البهجة» وابن الأثير في «تاريخه» (٢_٤٢٤): أن الذي فرض له رضي الله تعالى عنه ستة آلاف درهم في السنة، قال ابن هشام: ولما حضرته الوفاة قال: ردّوا ما عندنا من مال المسلمين، فدفع إلى عمر بن الخطاب لقوح وعبد وقطيفة ما تساوي خمسة دراهم، فقال عمر رضي الله تعالى عنهما: لقد أتعبت من بعدك، وقال ابن الأثير: (٢_٢٤٢) ولما حضرته الوفاة أوصى أن تباع أرض له ويصرف ثمنها عوض ما أخذه من مال المسلمين.

٢- عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه: ذكر ابن الأثير في «تاريخه» أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال للمسلمين: إني كنت امرآ تاجرا يغني الله عيالي بتجارتي، وقد شغلتموني بأمركم هذا، فما ترون أنه يحلّ لي في هذا المال؟ وعلي رضي الله تعالى عنه ساكت، فأكثر القوم، فقال: ما تقول يا علي؟ قال: ما أصلحك وأصلح عيالك بالمعروف ليس لك غيره، فقال القوم: القول ما قاله علي، فأخذ قوته.

٣- معاوية بن أبي سفيان: ذكر أبو عمر ابن عبد البر في «الإستيعاب» (١٤١٦) عن سليمان بن موسى عن أبيه أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه رزق معاوية على عمله بالشام عشرة آلاف دينار في كلّ سنة. وذكر أيضا في الكتاب المذكور، عن صالح بن الوجيه قال: في سنة تسع عشرة كتب عمر رضي الله تعالى عنه إلى يزيد بن أبي سفيان يأمره بغزو قيسارية، فغزاها وبها بطارقة الروم فحاصرهم أياما، وكان بها معاوية أخوه فتخلّفه عليها، وسار يزيد يريد دمشق، فأقام معاوية على قيسارية حتى فتحها في شوال سنة تسع عشرة، وتوفي يزيد في ذي الحجة من ذلك العام في دمشق، واستخلف أخاه معاوية على ما كان يزيد يلي من عمل الشام، ورزقه ألف دينار في كل شهر، كذا قال صالح بن الوجيه. انتهى.ذكر أبو عمر بن عبد البر في باب «العبادلة» من الإستيعاب: ص ٣٤٧ عبد الله بن أم مكتوم الأعمى، القرشي العامري، فقال نقلا عن الواقدي: قدم المدينة مع مصعب بن عمير بعد بدر بيسير فنزل دار القرّاء اھ» .في ترجمة ابن أم مكتوم من طبقات ابن سعد: قدم المدينة مهاجرا بعد بدر بيسير، فنزل دار القراء. وهي دار مخرمة بن نوفل اھ انظر ص ١٥٠ ج ٤.

باب من كان يعلم القرآن في المدينة ومن كان يبعثه عليه السلام إلى الجهات لذلك وحفاظ القرآن من الصحابة ومعلم الناس الكتابة من الرجال والنساء مؤمنين وكافرين والمفتين على عهده عليه السلام ومعبري الرؤيا واتخاذ الدار في ذلك الزمن ينزلها القراء كالمدارس اليوم وغير ذلك. (التراتيب الادارية: ۱/ ۱۱۲، دارارقم، بیروت) في الاستبصار لإبن قدامة المقدسي: لما قدم مصعب بن عمير المدينة نزل على أسعد بن زرارة فكان يطوف به على دور الأنصار، يقرئهم القرآن ويدعوهم إلى الله عزّ وجلّ، فأسلم على يديهما جماعة؛ منهم: سعد بن معاذ وأسيد بن حضير، وغيرهما. اهـ (التراتيب الادارية: ۱/ ۱۰۴، دارارقم، بیروت) وقال الحافظ السخاوي: من السلف الصالح من كان يتجر يقصد القيام بمؤونة من قصر نفسه على بث العلم والحديث، ولم يتفرغ من أجل ذلك للتكسب لعياله؛ فعن ابن المبارك أنه كان يقول للفضيل بن عياض: لولا أنت وأصحابك وعنى بهم السفيانين وابن علية وابن السماك ما اتجرت اهـ. (التراتيب الادارية: ۱/ ۳۱۴، دارارقم، بیروت)

أدب المفتي والمستفتي لابن الصلاح، ص: ۱۶۲

وليس له التمذهب بمذهب أحد من أئمة الصحابة، وغيرهم من الأولين، وإن كانوا أعلم، وأعلى درجة ممن بعدهم، لأنهم لم يتفرغوا لتدوين العلم وضبط أصوله وفروعه، وليس لأحد منهم مذهب مهذب محرر مقرر، وإنما قام بذلك من جاء بعدهم من الأئمة الناخلين لمذاهب الصحابة والتابعين، القائمين بتمهيد أحكام الوقائع قبل وقوعها، الناهضين بإيضاح أصولها وفروعها، كمالك وأبي حنيفة وغيرهما.

البرهان في اصول الفقه للجويني: ۲/ ۱۷۷، دار الكتب العلمية بيروت

أجمع المحققون على أن العوام ليس لهم أن يتعلقوا بمذاهب أعيان الصحابة رضي الله تعالى عنهم بل عليهم أن يتبعوا مذاهب الأئمة الذين سبروا ونظروا وبوبوا الأبواب وذكروا أوضاع المسائل وتعرضوا للكلام على مذاهب الأولين. والسبب فيه أن الذين درجوا وإن كانوا قدوة في الدين وأسوة للمسلمين فإنهم لم يفتنوا بتهذيب مسالك الاجتهاد وإيضاح طرق النظر والجدال وضبط المقال ومن خلفهم من أئمة الفقه كفوا من بعدهم النظر في مذاهب الصحابة فكان العامي مأمورا باتباع مذاهب السابرين.

نفائس الاصول في شرح المحصول للقرافي: ۹/ ۳۹۶۶

قال إمام الحرمين في (البرهان): (أجمع المحققون على أن العوام ليس لهم أن يتعلقوا بمذهب أعيان الصحابة –رضي الله عنهم –بل عليهم أن يتبعوا مذاهب الأئمة، الذين سروا، ونظروا، وبوبوا الأبواب، وذكروا أوضاع المسائل، وتعرضوا الكلام على مذاهب الأولين؛ والسبب فيه أن الذين درجوا وإن كانوا قدوة للمسلمين، فإنهم لم يعتنوا بتهذيب مسائل الاجتهاد، وإيضاح طرق النظر، والذين بعدهم من أئمة المسلمين كفوا من بعدهم النظر في مذاهب الصحابة –رضي الله عنهم –فكان العامي مأمورًا باتباع مذهب السائرين والسابقين، وإن كان له حق الوضع، والتأسيس، والتأصيل، فللمتأخر حق التكميل، وكل موضع على الافتتاح، فقد يتطرق إلى مبادئه بعض النسخ، ثم يندرج المتأخر إلى التهذيب، والتكميل، فيكون المتأخر أحق أن يتبع؛ لجمعه المذاهب، وبيانها. وهذا واضح في الحرف، والصناعات، فضلاً عن العلوم، ومسالك الظنون). قلت: رأيت للشيخ تقي الدين بن الصلاح ما معناه: أن التقليد يتعين لهذه الأئمة الأربعة دون غيرهم

باسمہ تعالیٰ

الجامعة الاسلامیہ دار العلوم دیوبند الہند

Darul Uloom Deoband

PIN 247554, U.P. INDIA

دار الافتاء

Darul Ifta

دار الافتاء دار العلوم دیوبند

Ref: .... Date: ....

من الصحابة -رضي الله عنهم -وغيرهم. وعلل ذلك بغير طريقة الإمام، وقال: إن مذاهب هؤلاء انتشرت، وانبسطت، حتى ظهر فيها تقييد مطلقها، وتخصيص عامها، وشروط فروعها.

کتاب القصاص والمذکرین لابن الجوزی، ص: ۱۷۹، ۲۹۵، المکتب الاسلامی، بیروت

قال ابن الجوزي: لما كان الخطاب بالوعظ في الأغلب للعوام وجد جهال من القصاص طريقا إلى بلوغ أغراضهم ، ثم مازادت بدعهم تزيد حتى تفاقم الأمر ، فأتوا بالمنكرات في الأفعال والأقوال والمقاصد

ينبغي للواعظ أن يكون حافظا لحديث رسول الله عارفا لصحيحه وسقيمه و مسنده ومقطوعه ومعضله عالما بالتواريخ وسير السلف ، حافظا لأخبار الزهاد، فقيها في دين الله ، عالم بالعربية واللغة ، فصيح اللسان ، ومدار ذلك كله على تقوى الله عز و جل. لاينبغي أن يقص على الناس إلا العالم المتقن فنون العلم ؛ لأنه يسأل عن كل فن ، فإن الفقيه إذا تصدر لم يكد يسأل عن الحديث والمحدث لايكاد يسأل عن الفقه والواعظ يسأل عن كل علم ، فينبغي أن يكون كاملا.

قال ابن قتيبة : القصاص يميلون وجوه العوام إليهم ويستدرون ما عندهم بالمناكير والغريب والاكاذيب من الأحاديث ومن شأن العوام القعود عن القاص ماكان حديثه عجيبا خارجا عن فطر العقول .

(کتاب القصاص والمذکرین، ص: ۱۲، المکتب الاسلامی، بیروت) فقط

واللہ اعلم

حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ

مفتی دار العلوم دیوبند

۲۳/۱۱/۱۴۴۴ھ

الجواب صحیح

الجواب صحیح

الجواب صحیح

الجواب صحیح